مکمل و مدلل

مسائل مزارعت

مرتب

مفتی ساجد بورسدی، متعلّم تدریب الافتاء جامعہ جمبوسر

حسب ایماء و ارشاد

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم

بانی و مہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر

زیر نگرانی

مفتی فرید احمد کاوی

ناشر

جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، ضلع بھروچ، گجرات، الہند

مکمل ومدلل

مسائل مزارعت

مرتب

مفتی ساجد بورسدی، متعلّم تدریب الافتاء جامعہ جمبوسر

حسبِ ایماء وارشاد

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم

بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر

زیرِ نگرانی

مفتی فرید احمد کاوی

ناشر

جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، ضلع بھروچ، گجرات، الہند

- کتاب کا نام: مکمل و مدلل مسائل مزارعت
- مرتب: مفتی ساجد بورسدی
  متعلّم تدریب الافتاء، جامعہ جمبوسر
- حسب ایماء وارشاد: حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم
  (بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن، جمبوسر)
- زیر نگرانی: مفتی فرید احمد کاوی
- سن اشاعت: شعبان ۱۴۳۶ھ مطابق مئی، ۲۰۱۵
- ناشر: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

JAMIA ULOOMUL QURAN, JAMBUSAR
AT.PO. JAMBUSAR. DIST : BHARUCH.
GUJARAT. INDIA. 392150
TEL : 02644-220786 - FAX : 222677
jamiahjambusar@gmail.com

فہرست مضامین

افتتاحیہ

حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم وعمت فیوضہم

بانی ومہتمم جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

باسمہ سبحانہ وتعالی

علم الاجتماع والاقتصاد میں یہ ایک اصولی بات ہے کہ معاشرہ؛ افراد سے مرکب ہوتا ہے، اور فرد معاشرہ کے زیر اثر ہوتا ہے، اس اعتبار سے ایک کی بہتری دوسرے کی فلاح کی ضامن ہے۔ غنی فقیر کا مددگار ہو، طاقت ور کمزور کا سہارا بنے، امیر رعایا کا خادم ہو؛ یہ سب اسی اصول پر متفرع ہوتا ہے۔ زکوۃ کے بارے میں حکم میں ہے: تـوخـذ من أغنيائهم و ترد إلى فقرائهم۔ حقیقت میں تو یہ ایک ادنی مثال ہے اور معاشرہ کے ان دو طبقوں میں اس ارتباط کا مرحلہ تو بہت بعد کا حکم ہے، اسلام نے اس سے پہلے بہت سارے ایسے معاملات مشروع قرار دیے ہیں جو اسی بقاءِ باہم کی زنجیر کی کڑیاں ہیں، مثلاً مضاربت میں غنی کے رأس المال اور تاجر کی فنی مہارت کو جوڑ کر دونوں کو مساوی طور معاش کے مواقع عنایت کیے، اور فائدہ اس کا یہ ہے کہ معیشت کی بنیاد پر ایک کو دوسرے پر فوقیت کا احساس نہ ہوگا۔ مزارعت، مساقات اور مغارسہ وغیرہ بھی اسی قبیل کے معاملات ہیں۔

مزارعت اور زراعت میں اس کے علاوہ فضل و اجر کے اور بھی بہت سارے پہلو ہیں؛ قرآن میں اللہ تعالی نے تخلیق، بعث بعد الموت وغیرہ امور کو

سمجھانے کے لیے زراعت سے متعلق بکثرت مثالیں دی ہیں؛ بلکہ ایک مقام پر تو ونحن الزارعون کہ کر اللہ تعالی نے زراعت پیشہ لوگوں سے ایک گونہ یکجہتی کا اظہار فرمایا ہے۔

معاشرہ اور فرد کی ضرورت ہونے کی وجہ سے یوں تو مزارعت وزراعت ماقبل اسلام سے چلے آرہے معاملے تھے؛ مگر اسلام نے اپنے اصول عدل و مساوات کے پیش نظر اس میں بڑی اصلاحات کی ہیں، اس میں دونوں فریق کے حقوق میں عدل کرنے کے ساتھ عشر وخراج کے ذریعہ معاشرہ اور ریاست کو بھی جوڑ دیا ہے، اور اب یہ ایک ایسا معاملہ بن گیا ہے، جس میں فرد اور معاشرہ سے لے کر ریاست کے بھی مفادات وابستہ ہیں۔

ایسے مہتم بالشان عقد اور معاملہ کے متعلق فقہ اسلامی میں وافی شافی رہ نمائی اور احکام کا ہونا یقینی امر ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے۔البتہ دنیا کی بدلتی معاشی صورتِ حال میں زارعت کے طریقے، آلات ،مصارف اور بیج کی گرانی اور حاصل شدہ فصل کی ارزانی کے سبب لوگوں کے مابین ہونے والے عقود کی شکلیں بہت زیادہ تبدیل ہو چکی ہیں۔ زمیندار اور کاشتکار دونوں کا اپنا اپنا مفاد ہوتا ہے، اس لیے صورتِ حال کافی تبدیل ہو چکی ہے، ایسے حالات میں اس باب کے مسائل کو اس کے مآخذ واصول اور دلائل ونصوص سے براہِ راست سمجھنے اور ان تمام تفصیلات کو دوبارہ دیکھنے کی ضرورت ہے، جن کی بنیاد پر کسی صورت کے جواز وعدم جواز کا حکم لگایا گیا ہے۔

جامعہ کے شعبۂ تدریب الافتاء، سال دوم کے طلبہ کے لیے مزارعت کے مسائل کا عنوان متعین کرتے وقت ایک پہلو یہ بھی مدنظر رہا۔ عزیزم مولوی ساجد سلمہ نے مزارعت کے مسائل کو جواز وعدم جواز کی علل وحِکم کے ساتھ سمجھنے کی کافی محنت کی ہے، ماشاءاللہ وتبارک اللہ۔ اللہ تعالی ان کی محنت کوقبول فرمائے۔

کوئی چاہے تو استفادہ کر سکے اس غرض سے اس طالب علمانہ کاوش کی طباعت کا فیصلہ کیا گیا ہے، اس سے حوصلہ افزائی پیدا کرنے کے علاوہ خوداعتمادی کی آبیاری کرنا بھی مقصود ہے۔ سال گذشتہ کے مقالہ کے افتتاحیہ میں لکھے ہوئے جملے دوبارہ یہاں نقل کرتا ہوں:

مذکور رسالہ میں فقہی نوعیت سے یا ترتیب وتبویب اور جمع وتالیف کے اعتبار سے اگرکوئی فروگذاشت نظر آئے یا کچھ کہنے کی ضرورت ہوتو عاجزانہ عرض ہے جو کوئی، جو کچھ تنبیہ واصلاح فرمائے گا، ہم اس کے ممنون اور وہ ہمارا مشکور ہوگا۔

مفتی احمد دیولوی

خادم جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

تقریظ

حضرت مولانا مفتی اسجد دیولوی صاحب دامت برکاتہم

مفتی وشیخ الحدیث جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دین اسلام ایک مکمل ضابطہءحیات ہے چنانچہ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کے متعلق شریعت مطہرہ میں واضح رہنمائی نہ ہو۔ انسانی اعمال واشغال کے مختلف گوشوں میں ایک گوشہ معاملات کا بھی ہے، جس کا ایک طویل الذیل اور کثیر الفروع مسئلہ مزارعت ہے؛ بلکہ حضرت امام شافعیؒ نے تو اسے توکّل کا سبب ہونے کی وجہ سے افضل المقاصد قرار دیا ہے۔

چونکہ مزارعت ہمارے ملک ہندوستان میں کثیر الوقوع معاملہ ہے، اس لئے اس سے متعلقہ مسائل کے بارے میں بیدار مغز اسلامیانِ ہند کا رجوع مراکزِ افتاء کی جانب روز افزوں ہے، اسی بناء پر جامعہ علوم القرآن جمبوسر کے زیر اہتمام جاری شعبۂ تدریب الافتاء کے سال دوم کے طالب علم عزیزم مولوی مفتی ساجد بورسدی سلمہ ربہ کے سندی مقالہ کے لیے امسال یہی موضوع متعین کیا گیا تھا۔

اللہ کا بے حد و بے پایاں شکر واحسان ہے کہ جامعہ کے باذوق وباتوفیق

مدرس برادر مکرم جناب مولانا مفتی فرید احمد صاحب زید مجدہ کے زیر نگرانی و تربیت آں عزیز نے اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر محیط ایک تفصیلی با تحقیق مقالہ مرتب فرمایا، جس کو بندہ نے عبوری نگاہ سے مکمل اور بعض اہم مقامات کو غائرانہ نظر سے دیکھا، الحمدللہ کہ آں عزیز کا کام مستند اور قابل اعتماد ہے اور امید ہے کہ محنت کا یہ منہج جاری رہا تو موصوف علمی و تحقیقی دنیا میں اپنا ایک انفرادی مقام بنالیں گے۔ إن شاء الله وما ذلك علىٰ اللّٰه بعزيز .

اللہ تعالیٰ آں عزیز کی اس محنت کو قبول فرمائے اور ان کے اپنے لیے، ان کی مادر علمی اور ان کے اساتذۂ کرام کے لیے سرخروئی کا باعث بنائے۔ آمین بجاہ سيدالمرسلين صلى الله عليه وسلم والحمد للّٰه أولا و آخرا.

کتبہ: اسجد دیولاوی

۲/شعبان/۱۴۳۶ھ

تقدیم

حضرت مولانا مفتی فرید احمد کاوی صاحب دامت برکاتہم

مدرس جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق وغیرہ شعبوں سے مرکب انسانی زندگی کچھ ایسی باہم مربوط ومنظّم ہے کہ کسی ایک شعبے میں بے اعتدالی دوسرے شعبے پر ضرور اثر انداز ہوتی ہے۔ عقائد کی گمراہی دیگر تمام شعبوں کو متأثر کرتی ہے تو دیگر شعبوں میں نفس کی غلامی عقائد وعبادات کے نظام کو خراب کر دیتی ہے۔ آیتِ کریمہ و من أعرض عن ذکری فإن لہ معیشة ضنکا میں عبادات میں کوتاہی کے سبب سے معاش کے خراب ہونے کا ذکر ہے، اور استغفروا ربکم إنه کان غفارا یرسل السماء علیکم مدارار و یمددکم بأموال و بنین و یجعل لکم جنات و أنهارا میں طاعت واستغفار کے ساتھ معاش ومعیشت کی بہتری کے مشروط ہونے کا واضح بیان ہے۔

معاملات ومعیشت کی خرابی عبادات وعقائد پر کیا اثر ڈالتی ہے اس کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتے ہیں: فذلك الذی یدع الیتیم و لایحض علی طعام المسکین فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون الآیة ۔ دوسری ایک آیت میں ربا کے حلال ہونے کا عقیدہ اور اکل ربو کا فعل اس قدر مضر گناہ قرار دیا گیا ہے کہ اس سے انسان کا سارا ہی دین برباد ہو جاتا ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں: الذین یأکلون الربا لا یقومون إلا کما یقوم الذی

يتخبطه الشيطان من المس ، ذلك بأنهم قالوا إنما البيع مثل الربا .

حدیث شریف میں اکل حلال سے عبادات میں وصف قبول پیدا ہونے اور حرام غذا کی وجہ سے دعا وعبادت کے قبول نہ ہونے کا ذکر ہے۔اسی طرح مختلف طاعات پر رزق میں برکت کا وعدہ بھی حدیث شریف میں وارد ہوا ہے۔

اس لیے قرآنی احکام اور نبوی ہدایات میں مختلف شعبوں کے متعلق جو احکامات عملی زندگی کے لیے انسان کو دیے گئے ہیں، وہ زندگی کے تمام پہلوؤں کے اعتبار سے متوازن اور متناسب ہیں۔عبادات کے احکام میں اس قدر غلو نہیں کہ معاملات و معاشرت کو غیر انسانی افعال سمجھ لیے جائیں، جیسا کہ 'رہبانی' تصور رکھنے والے مذاہب میں ہوتا ہے، اور معاملات و معاشرت کو ایسی بنیادی حیثیت بھی نہیں دی گئی کہ فقط اسی کو حیاتِ انسانی کا محور و مرکز قرار دیا جائے۔جیسا کہ اشتراکی فلسفہ کے اعتبار سے نظام حیات کا مرکزی نقطہ 'مساوی معاشی حقوق' ہے۔ موجودہ جمہوری وسیکولر کہنے جانے والے نظام کا مرکزی عنصر اس کے ہمنواؤں کے بقول حقوق انسانی اور حریتِ مطلقہ ہے۔ایک ہندوستانی فلسفی 'اوشو' نے تو جنسی ضرورت کی تکمیل اور کھلے بندوں اس کے حصول میں مشغول ہونے کو ہی مقصدِ حیات قرار دیا تھا۔

جامعیت اور توازن کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اسلام نے حریت ،معاش، تعلیم، حقوق، بلکہ تہذیبِ اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے لیے لازم تمام حقوق اور ضروریات کو مربوط کر کے ایک جامع نظام حیات پیش فرمایا

ہے، یہاں چند سطور میں اس کا بیان کسی طور ممکن نہیں۔

بہر حال عبادات و معاشرت کی طرح معاملات کے باب میں بھی اصول و فروع پر مشتمل واضح رہ نمائی قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ تجارت کے مختلف ابواب مثلاً : بیع، اجارہ، شرکت، مضاربت کے علاوہ اجارہ اور اس کے ہم جنس معاملات مثلاً مزارعت، مساقات، مغارسہ وغیرہ کے متعلق واضح رہ نمائی اسلام میں موجود ہے؛ بلکہ آج سے ۱۴۰۰ سال قبل احیاء موات کے متعلق رہ نمائی فرما کر اسلام نے جس جامع نظامِ زندگی کا تصور پیش کیا تھا، اس کی مثال ماقبل اسلام میں تو ہے ہی نہیں، مگر ظہورِ اسلام کے بعد حیاتِ انسانی کی تجدید و اصلاح کے نام پر نمودار ہونے والی تحریکوں ، انقلابوں اور انکے دیے ہوئے زندگی کے مختلف تصورات اور نظریات (ازم) بھی کوئی ایسا نظام پیش نہیں کر سکے جو اسلام سے بہتر اور اس کا متبادل نہ سہی، کسی قدر اس کے قریب ہی ہو! آج دنیا کا حال یہ ہے کہ دنیا کے تمام گوشوں میں اور زندگی کے تمام شعبوں میں رائج جدید طرزِ حیات کے مقابلہ میں اگر کوئی حقیقی مقابل نظامِ حیات ہے تو فقط 'اسلام' ہے۔

انسانی زندگی کے معاشی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے، آپسی تعاون اور بقاءِ باہم کے تصور پر مبنی جن معاملات کی جانب اسلام نے رہ نمائی فرمائی ہے، ان میں ایک معاملہ 'مزارعت' کا ہے۔ قدیم زمیندارانہ نظام، جس کی باقیات اب بھی بعض خطوں میں پائی جاتی ہیں، جن برائیوں کا حامل تھا اس کے ذکر کا یہ موقع نہیں، اسلام نے اس کے بجائے کاشتکار اور زمیندار ؛ دونوں کے لیے انصاف اور

مساوات پر مبنی 'عقد مزارعت' کا ایسا باضابطہ تصور پیش کیا جس میں دونوں فریق کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے ظلم اور استحصال کے دروازے کو مکمل بند کر دیا گیا ہے۔

مالی مفاد کی بنیاد پر دو فریق کے درمیان طے ہونے والے کسی بھی معاملے میں حقوق اور مفادات کا پلڑا طاقت اور اقتدار جیسے مختلف اسباب کی وجہ سے کسی ایک جانب جھک پڑے، یہ عین ممکن ہی نہیں، بلکہ صدیوں سے چلی آ رہی حقیقت واقعہ تھی اور ہے۔ نبی کریم ﷺ کے دور میں بھی یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ مزارعت کی کچھ ایسی ہی صورتوں کے متعلق حدیث شریف میں ممانعت بھی وارد ہوئی ہے اور مقالہ مذکور میں اس کا ذکر بھی ہے۔ اپنی پیدا کردہ کائنات کے بارے میں اللہ تعالی سے زیادہ واقف کون ہوگا؟ چنانچہ اسی نے مذہبِ حق اسلام کی وساطت سے، انسان کو ایسی جامع ہدایات سے نوازا ہے کہ اس کی پاسداری کرنے سے حقوق و مفاد کا ترازو ہر ایک فریق کو اس کا حق واجبی طور پر ادا کر دے۔

اسلام کا یہ بھی طرہ امتیاز ہے کہ کسی بھی عمل کو، چاہے بظاہر وہ مذہبی رسم نہ سمجھا جاتا ہو، کسی نہ کسی طرح مذہب سے مربوط ہی رکھا جاتا ہے۔ جواز وعدم جواز اور انعقاد و نفاذ کی مختلف تفاصیل مذہباً فراہم کر کے اگر یہ تأثر دیا جاتا ہے کہ مذہبِ اسلام ایسی دنیاداری کا مخالف نہیں، وہیں یہ بھی تاکید کر دی گئی ہے کہ دنیاداری کے یہ اعمال مذہبی زندگی میں رکاوٹ نہیں بننے چاہیے، اسی اعتبار سے قرآن میں اولاد اور مال کو فتنہ کہا گیا۔ مزارعت وآلات مزارعت کے متعلق ممانعت یا کراہت کی کچھ احادیث بھی اس معنی پر محمول ہیں۔

مسلم کمیونٹی (اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومتوں میں اسلامی ادارے) کی معاشی فلاح و بہبود کا ایک اہم ستون 'عشر' کی آمدن ہے، جو زراعت اور مزارعت ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔اس اعتبار سے تو انفرادی معاشی بہبود کے ساتھ ساتھ مسلم معاشرہ کی اجتماعی معاشی ترقی میں بھی زراعت ومزارعت کا بڑا کردار ہے۔

اسی اہمیت کی وجہ سے 'مزارعت' فقہ اسلامی کا بھی ایک اہم باب سمجھا جاتا ہے،اورعصری تغیرات کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاءِ اسلام نے ،فقہ کے دیگر ابواب کی طرح اس باب میں بھی قدیم اصول وفروع اور ان کے مآخذ ومصادر پر نظر رکھتے ہوئے اپنے اپنے زمانہ میں رہ نمائی پیش فرمائی ہے۔

مزارعت کے باب میں جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، مفادات کی کشمکش کے پیش نظر بہت سی مرتبہ استحصالی صورت پیدا ہوکر کسی ایک فریق کی منفعت غالب آجاتی ہے۔ایسی صورت حال کے سد باب کے لیے عقد کے ارکان ،شرائط وغیرہ کا بنیادی کردار ہوتا ہے،اس لیے مزارعت کے ارکان وشرائط سے واقفیت اوراس کی زمینی تطبیق بڑی اہم بات ہے اور بدلتے حالات اور تقاضوں کے ساتھ اس تطبیق کو واقعی اور زمینی شکل دینا بڑا نازک اور مشکل کام ہے،اس باب میں پائی جانے والی کوتاہیاں اب تک جہالت اوردورافتادہ دیہات کی گرد میں مستور تھیں؛ لیکن اللہ کا فضل وکرم ہے کہ مدارس، تبلیغ ، وعظ وتقریر جیسی احیاءِ اسلام کی مختلف مساعی کے طفیل اب لوگوں میں یہ شعور بیدار ہوا ہے کہ مزارعت کے معاملات کو بھی

شریعت کے مطابق ڈھالا جائے۔

اسی رجحان کو سامنے رکھتے ہوئے، میرے عزیز دوست، جامعہ علوم القرآن، جمبوسر کے صدر مفتی وشیخ الحدیث مفتی اسجد صاحب زید مجدہ نے مشورہ دیا تھا کہ تدریب الافتاء، سال دوم کے طلبہ کے سندی مقالہ کا ایک عنوان 'مزارعت' طے کیا جائے؛ تاکہ اس موضوع سے متعلق اصولی و جزئی مواد نیز طویل وضخیم مآخذ میں موجود قواعد و جزئیات کا خلاصہ یکجا میسر آجائے؛ چنانچہ یہی عنوان طے کر کے مفوض کردیا گیا۔

جامعہ ہی کے فاضل اوراب تکمیل افتاء کرنے والے، عزیزم مولوی ساجد بورسدی نے بڑی محنت سے یہ مقالہ تیار فرمایا ہے، اورتخریج مسائل وتحقیق مناط میں دور تک جاتے ہوئے، بڑے محقق انداز صحت وفساد کے احکام کی تخریج فرمائی ہے۔

اللہ تعالی ان کی محنت کو قبول فرمائے، اس مقالے کی ترتیب کو مستقبل کی زندگی کی خشتِ اول کے طور پر قبول فرما کر آئندہ بھی مختلف النوع تحقیقی خدمات کی توفیق سے نوازے۔آمین۔

فریداحمد بن رشید کاوی

مدرس جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

یکم شعبان، ۱۴۳۶ھ.

شکر و ۱۸ سپاس

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

حمد وصلوۃ کے بعد ...علامتِ شکر کے طور پر ان چند سطور کوتحریر کرتے ہوئے میرے دل وجان ؛ مادرِ علمی ، اساتذہ کرام اور حضرت اقدس مہتمم صاحب کے لیے شکر وسپاس کے جذبات سے لبریز ہیں۔ان حضرات کی تربیت وشفقت نے نا اہلی کے باوجود کا مجھ کو قابل اعتماد سمجھا، پڑھایا، آگے بڑھایا اور مزید حوصلہ افزائی کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔تدریبِ افتاء کی تکمیل کے طور پر مقالہ نویسی کے لیے زراعت کے مسائل کا موضوع متعین کیا گیا تو کم علمی کے باعث اس کے ابتدائی خدوخال سے بھی واقف نہ تھا؛ مگر جس طرح اب تک ان حضراتِ اساتذہ نے آگے بڑھایا تھا، یہاں بھی وہی شفقت ورہ نمائی نے ہاتھ تھامے رکھا اور پھر ان ہی کی رہ نمائی میں جب مقالہ اپنے انجام کو پہنچا تو مدرسہ کی جانب سے اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا اور مجھے چند سطور تحریر کرنے کا حکم دیا گیا۔ میں ناتواں کیا تحریر کروں؟ شکرادا کرنے اور دعائیں کرنے کے علاوہ میرے پاس کچھ ہے بھی نہیں۔دین ودنیا؛ ہر دو سے خالی ہوں۔

جامعہ کے تمام اساتذہ کو جن سے بلا واسطہ یا بالواسطہ میں نے تربیت حاصل کی، ان تمام کا شکرادا کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی ان حضرات کو دارین کی نعمتوں اور کامیابیوں سے نوازے۔ بانی جامعہ حضرت اقدس مہتمم صاحب اور اس مقالہ کی تیاری میں رہ نمائی کرنے والے حضراتِ اساتذہ مفتی فرید احمد کاوی صاحب اور حضرت مفتی اسجد صاحب دامت برکاتہم کا بھی خصوصی شکرگذار ہوں۔اللہ تعالی ان کی شفقت ورہ نمائی کو دوام بخشے اور مجھ میں اساتذہ کی تربیت کو قبول کرنے کی اہلیت پیدا فرمائے۔

ساجد بورسدی، متعلم جامعہ ہذا۔

تمہیدی گفتگو

اللہ تعالی نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر دنیا میں اپنا خلیفہ مقرر کر کے دنیا میں پائی جانے والی ہر چیز اور تمام قدرتی وسائل کو انسان کے لیے مسخر کر دیا، تاکہ وہ اپنی عقل وفکر اور محنت وتدبیر کے ذریعہ ان سے اپنی بنیادی ضروریات اور راحت وآرام کا سامان فراہم کر سکے۔

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تخلیق ارض کے مقصد کو ذکر کیا گیا ہے، سورۂ بقرہ میں ہے:

هو الذی خلق لکم ما فی الأرض جمیعاً (۲۹)

ترجمہ: اور وہ پاک ذات ایسی ہے جس نے تمہارے فائدے کے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب پیدا کیا۔

سورۂ رحمٰن میں ہے:

والأرض وضعها للأنام فیها فاکهة والنخل ذات الأکمام والحبّ ذوالعصف والریحان (۱۰–۱۲)

ترجمہ: خدا نے زمین مخلوق کے فائدے کے لیے پیدا کی ہے اور اس میں میوے اور کھجور کے درخت، جن پر غلاف ہوتا ہے، اور بھوسے دار غلہ اور پھل پھول وغیرہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

نیز انسان کو مخاطب بنا کر یہ بھی حکم دیا گیا کہ اللہ تعالی نے زمین کو تمہاری روزی اور معاش کا ذریعہ بنایا ہے؛ لہٰذا تم اس سے فائدہ حاصل کرو۔

سورۂ ملک میں ہے :

هو الذی جعل لكم الأرض ذلولاًفامشوا في مناكبها وكلوا من رزقه (۱۵)

ترجمہ: اور وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے زمین تمہارے فائدے کے لیے ہموار بنائی ہے، تو تم اس کے اوپر چلو اور اس کا (اگایا ہوا) رزق کھاؤ۔

الغرض ابتداءِ آفرینش ہی سے انسان کا زمین سے ایک خاص تعلق ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سب سے پہلے جو وحی آئی، اس کا بیشتر حصّہ زمین کی آبادکاری اور مختلف صنعتوں سے متعلق تھا۔

مبسوطِ سرخسی میں ہے کہ سب سے پہلے کھیتی کا کام جس نے کیا وہ آدمؑ ہیں۔

أول من فعله آدم صلوات الله وسلامه عليه على ما روى أنه لما اهبط إلى الأرض أتاه جبرئيل عليه الصلاة والسلام بحنطة وأمره بالزراعة. (مبسوط للسرخسي:۲/۲۳)

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹے ہابیل اور قابیل سے جب قربانی کا مطالبہ کیا گیا تھا تب قابیل جو کہ کاشتکار تھا، اس نے اپنی قربانی میں زمینی پیداوار کچھ غلہ گندم وغیرہ ہی پیش کیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر؛ پارہ:٦)

'الدرّ المنثور' میں علاّمہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ بھی کاشتکاری فرماتے تھے۔

مؤرخ ابن خلدونؒ اپنے مشہور مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ،

وهی ــ أی الزراعة ــ أقدم الصنائع لِما أنّها محصّلة للقوت

المکمّل لحیاۃالانسان غالباً اذ لا یمکن وجودہ دون القوت ۔ ۔ ۔

[ص:۵۰۹]

”یعنی زراعت قدیم ترین صنعت ہے کیوں کہ اسی سے وہ غذا حاصل ہوتی ہے جس سے حیاتِ انسانی کی تکمیل ہوتی ہے اس لیے کہ انسان کا وجود غذا کے بغیر نامکمّل ہے۔“

زمین کی آبادکاری، کاشتکاری اور کھیتی صرف انسان ہی کے لیے مفید نہیں ہے؛ بلکہ تمام ذی روح مخلوقات کی خورد ونوش کی بیشتر ضروریات زمین ہی کی پیداوار پر منحصر ہے، اس لیے اس کی ایک اپنی علیحدہ ہی اہمیت وافادیت ہے۔

چوں کہ آج مادی ترقیات کے باوجود انسان کی غذائی مصالح بلکہ علاج و ادویہ کی بیشتر ضروریات کی تکمیل کا زمین ہی واحد ذریعہ ہے، نیز اسلامی تاریخ کا، بلکہ دنیا کی ہر قوم کی تاریخ کا ایک طویل زمانہ ایسا گذرا ہے کہ معاشی سرگرمی کے بڑے میدان صرف اور صرف دو تھے: ایک تجارت اور دوسرا زراعت۔ قرآن کے نزول کے زمانے میں جو تجارت ہورہی تھی اس کا بہت بڑا حصہ زراعت اور زرعی مصنوعات پر مشتمل تھا۔ اس لیے یہ بات ناممکن ہے کہ اسلام نے اس کے متعلق کوئی واضح اور مفصل رہ نمائی نہ فرمائی ہو؛ جب کہ اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ایک مکمّل دستورِ حیات ہے، اس نے جہاں زندگی کے مختلف شعبوں میں انسان کی رہ نمائی فرمائی ہے وہیں انسان کی حیات اور معاش کے شعبہ میں بھی واضح ہدایات اور رہ نمائی فرمائی ہے۔

تجارت، بیع وشراء، زراعت، احیاءِ اموات اور کسب ومعاش سے متعلق

بہت سے امور وہ ہیں جن کو خود صاحبِ شرع حضرت نبی اکرم ﷺ نے بھی اختیار فرمایا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس سلسلے میں رہ نمائی فرمائی تھی۔

علاّمہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ حضرات انصار، اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے بنو قریظہ کی مفتوحہ زمینیں جن حضرات کو دی تھیں ان میں سے ہر ایک، نیز مہاجرین میں سے جن کو آپ ﷺ نے زمینیں عطا کی تھیں وہ سب کے سب حضور ﷺ کے حینِ حیات کھیتی باڑی اور باغبانی کرتے تھے۔اسی طرح بحرین، عمان، یمن اور طائف والوں میں سے جو لوگ بھی اسلام سے مشرف ہوئے تھے وہ بھی کھیتی باڑی، باغبانی اور شجر کاری کرتے تھے اور حضور اکرم ﷺ نے انہیں کبھی بھی اس کے ترک پر آمدہ نہیں کیا۔(المحلیٰ:۲۱۰/۸ بحوالۂ عقد المزارعۃ:۱۰)

اسلام میں زراعت و باغبانی اور شجر کاری کی افادیت و اہمیت کس قدر ہے اور اس کا ثواب کتنا وقیع ہے اس کا اندازہ حضور ﷺ کے فرمودات سے لگایا جا سکتا ہے۔

چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:

ما من مسلم يغرس غرساً الّا كان ما أكل منه له صدقة و ما سُرق منه له صدقة و ما أكل السبع فهو صدقة و ما أكل الطير فهو له صدقة و لا يزرؤه أحد اِلّا كان له صدقة. (المسلم: ۱۵/۲)

یعنی جو مسلمان بھی کوئی پودہ لگاتا ہے اس سے جو کچھ کھایا جائے وہ اس کی طرف سے صدقہ ہو جاتا ہے، اور اس میں سے جو کچھ چوری ہو جائے وہ بھی صدقہ بن جاتا ہے اور اس سے جو کچھ درندہ کھالے وہ بھی اس کی طرف سے صدقہ بن

جاتا ہے اوراس سے جو کچھ پرندہ کھالے وہ بھی اس کی طرف سے صدقہ بن جاتا ہے اور کوئی بھی اس میں سے جو کچھ بھی لے لے وہ سب اس کی طرف سے صدقہ بن جاتا ہے۔

شجرکاری کی تاکید میں نبی کریم ﷺ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ:

قامت الساعة وفي يد أحدكم فسيلةٌ فان استطاع أن لاتقوم حتىٰ يغرسها فليغرسها (مسند احمد)

یعنی اگر قیامت اس حالت میں آجائے کہ کسی کے ہاتھ میں کوئی پودہ ہوتواگر وہ قیامت (مکمل) ہونے سے پہلے اس پودے کو بو سکے تو وہ اسے بو دے۔

خود حضور ﷺ کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کی مدد کے لیے مدینہ منورہ کے ایک باغ میں کھجور کے تین سو درخت اپنے دست اقدس سے لگائے تھے اور آپ ﷺ کی برکت سے ایک سال بھی نہیں گذرا تھا کہ ان سب پر پھل آ گیا۔

زراعت وشجرکاری اور باغبانی کی اہمّیت وفضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ قرآن واحادیث میں جابجا مختلف پیرایے میں 'زرع' اور 'شجرۃ' کا تذکرہ آیا ہے۔ پورے قرآن میں 'شجرۃ' کا لفظ مفرد طور پر انیس (۱۹) جگہ اور تقریباً چھ جگہ جمع کے طور پر مذکور ہے اور تقریباً تیرہ (۱۳) مقامات پر 'زرع' اوراس کے مشتقات وارد ہوئے ہیں۔ اسی طرح احادیث میں بھی یہ الفاظ بکثرت وارد ہوئے ہیں۔

کہیں انفاق فی سبیل اللہ کو حَبَّۃٌ (دانہ) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے،

کہیں کلمات اللہ کو بیان کرنے میں أشجار کو قلم بنانے کا تذکرہ ہے، کہیں کلمۂ طیّبہ کو شجرۃ طیّبۃ کے ساتھ اور کلمۂ خبیثہ کو شجرۃ خبیثۃ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کہیں نحن الزارعون کہہ کر ہمیں تنبیہ کی گئی۔ کہیں آپ ﷺ نے انہیں اعمالِ صالحہ کی اخروی جزا کے طور پر بیان کیا ہے، کہیں زمین پر موجود درختوں کی تعداد کے بقدر شفاعت کی امید کا اظہار کیا ہے، کہیں درختوں کے سایے میں رفعِ حاجت کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے، کہیں اشجار و باغات کی نگرانی کی تاکید فرمائی ہے، کہیں کھیتی کرنے والے اور پودے لگانے والے کو بلانیت کے بھی اجروثواب کا مستحق ٹھہرایا ہے اور اُسے ثوابِ جاریہ قرار دیا ہے۔

غرض یہ کہ مذہبِ اسلام نے انسان کو زمین سے فائدے حاصل کرنے اور اس کے ذریعہ اپنے سامانِ رزق کی فراہمی کی ترغیب دی ہے اور ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کہ زراعت کی ساری کارکردگی خدا ہی کے دستِ قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔

زراعت کی مختصر تاریخ

زمین کے فوائد سے متمتع ہونے اور اس سے حیاتِ انسانی کے لیے ضروری اشیاء کو نکالنے کا ایک اہم ترین پیشہ کاشتکاری ہے۔ یہ نوعِ انسانی کی حفاظت کا بنیادی رکن اور تمدّن وترقی کا سرچشمہ ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری تمام صنعتوں کا بھی لازمی رکن ہے، اس لیے انسان کی ابتداء آفرینش ہی سے راحت وآرام کے مختلف مراتب کے لحاظ سے زراعت کی طرف توجہ کی جاتی رہی ہے۔ دنیا کی مختلف قوموں نے تہذیب وتمدّن کے جداگانہ ہونے نیز ادیان کے مختلف ہونے

کے باوجود قدیم زمانے سے آج تک زراعت کو اہم ذریعۂ معاش اور سببِ بقا سمجھا ہے۔

انسان کھیتی باڑی کرنے، پودے لگانے اور مویشی پالنے کا کام قدیم زمانے ہی سے کرتا چلا آ رہا ہے۔ مختلف علاقوں میں بسنے والی قدیم قوموں نے اس کام کی طرف توجہ تقریباً اس طرح دی کہ شروع میں بعض خودرَو، بالخصوص قَندوں، گنٹھوں اور ان میں لگنے والے پتّوں، دانوں، پھولوں کو چکھا اور ذائقہ اچھا پا کر انہیں اپنی رہائش گاہوں کے قریب لگانا شروع کیا۔ قدیم زمانے میں عام طور پر مرد شکار کی طرف مائل رہے ہیں اور عورتیں گردوپیش سے غذائی اجناس فراہم کرنے کا کام انجام دیتی رہیں ہیں اور اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ اوّلاً عورتوں ہی نے اپنے پسند کے پودوں کو رہائشی علاقوں میں اُگا کر زراعتی مہم کا آغاز کیا ہوگا۔

انسانی آبادی کے مختلف خطوں میں پھیلنے کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی پھیلتا اور بڑھتا گیا اور حسبِ ضرورت اس کے وسائل بھی بڑھتے گئے۔ چنانچہ بعض وہ علاقے جہاں کھیتی کرنے میں دشواری نہیں تھی وہاں (مثلاً دریائے دجلہ وفرات اور نیل وغیرہ کے ساحلی علاقوں میں) لوگ کھیتی باڑی میں مشغول ہونے لگے اور بعض پہاڑی علاقوں میں جہاں کھیتی کرنا دشوار تھا، نیز بعض ان علاقوں میں جہاں خودرَو گھاس چارہ وافر مقدار میں پایا جاتا تھا لوگ مویشی چرانے میں مشغول ہونے لگے۔

چین، مصر اور عراق کے قدیم باشندگان بہ حسن وخوبی کاشتکاری کرنے میں سب سے فائق تھے، کہا جاسکتا ہے کہ زمین کو جوتنے اور جانوروں کو سدھانے

کی طرف سب سے پہلے یہی لوگ متوجہ ہوئے ہوں، جیسا کہ قدیم مصری مدفنوں سے کاشتکاری سے متعلق آلات کے پائے جانے سے پتہ چلتا ہے۔

رفتہ رفتہ فنِ کاشتکاری مصر سے یونان پہنچا۔ یونانیوں نے کاشتکاری کے لیے مزید مفید آلات ایجاد کئے اور کھیتوں کی سینچائی کی غرض سے ڈیم وغیرہ کے استحکام کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان لوگوں نے زراعت کے لیے جانوروں کو سَدھانے، کھاد کے ذریعہ زمین کو قابلِ زراعت بنانے اورآلاتِ زراعیّہ کی صنعت کاری میں ایک مقام حاصل کرلیا اوران کے وہاں اس سلسلے میں کتابیں بھی لکھی گئی یہاں تک کہ وہ ایسے مقام پر پہنچ گئے کہ انہوں نے اس فن میں دوسرے علاقوں کے لیے مرجع کی حیثیت حاصل کرلی۔

غرض اسی کاشتکاری کے ذریعہ (خصوصاً) یونانیوں نے تہذیب وتمدن میں دنیا کی قوموں پر عروج حاصل کیا۔ پھر جب ان میں کسی درجہ کوتاہیوں کا صدور ہونے لگا تو رفتہ رفتہ ان کے بعد اہلِ روم نے کاشتکاری کو اپنا خصوصی مشغلہ بنایا اور پوری دنیا پر فائق ہوگئے۔ ان کے یہاں فنِ زراعت پر تعلیم وتعلّم کے لیے زور دیا جانے لگا اورانہوں نے فنِ زراعت میں مختلف حیثیتوں سے ترقی کی۔

لیکن جب ان کی فتوحات کا دائرہ بڑھا تو زراعت کے پیشے میں کمی آنا شروع ہوگئی جس سے فنِ زراعت انحطاط کا شکار ہوگیا اور پھر جب ان میں طوائف الملو کی پھیلی اور سقوطِ حکومت کے اسباب پیدا ہوگئے، تو ان کے وہاں بھی یہ فن مہمل سا ہوگیا۔ آخر جب اسپین میں عربوں کی حکومت آئی تو وہاں کاشتکاری کے فن کو رواجِ عام حاصل ہوا۔ عرب حضرات نے اس فن کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور ہر اعتبار

سے اس کو ترقی دی۔ان کی حکومت کے ماتحت کے مغربی ممالک میں اس فن کو خوب عروج حاصل ہوا، وہاں سے پھر ایشیا اور مصر کے ممالک میں بھی پھیلنے لگا۔ غرض پورے یورپ پر اسپین فوقیت لے گیا؛ لیکن عربوں کے اسپین سے نکلتے ہی وہاں کاشتکاری انحطاط پذیر ہوگئی اور یورپ میں کاشتکاری کی طرف کم توجہ دی جانے لگی، یہاں تک کہ کاشتکار زمینداروں کے زرعی غلام سمجھے جانے لگے کہ وہ انہیں جہاں چاہتے بیچ دیتے۔آخر وہاں بھی کاشتکاری متروک ہوگئی۔مگر دیہاتی علاقوں میں اس طرف زیادہ توجہ دی گئی اور دیہات والوں نے مختلف اعتبار سے کاشتکاری کی اصلاح کی۔اس طرح کی اصلاح کرنے میں چینی باشندگان کا بڑا رول رہا ہے۔

ان تمام حالات کے باوجود کاشتکاری سولہویں صدی تک انحطاط کا شکار بنی رہی۔پھر جب یورپ والوں میں بیداری کا دور آیا تو وہاں کے عصری علماء نے اس طرف خصوصی توجہ دینی شروع کی اور فنِ زراعت کو مختلف خوبیوں سے آراستہ کر کے انہوں نے اسے ترقیات سے نوازا جس کے نتیجے میں آج فن زراعت مختلف پہلوؤں سے معاشیات کا اہم کردار بنا ہوا ہے۔

اقتصادیات اور معاشیات کے لوازمات میں سے ہے کہ جہاں کاشتکاری مہمل و بے کار ہو جاتی ہے وہاں کے باشندے بھی محتاج و فقیر ہو جاتے ہیں اور ان کی معیشت تنگ ہو جاتی ہے۔اور اس کے برعکس جہاں کاشتکاری زوروں پر ہوتی ہے وہاں کے باشندے معیشت کے اعتبار سے خود کفیل ہوتے ہیں۔اسی لیے محققین انگریز حضرات کا کہنا ہے کہ ان کا زراعت کی اصلاح کا کام کرنا وہی ان کی

قوت وثروت کے پھیلنے کا اہم سبب ہے۔

بہر حال نوعِ انسانی کی حفاظت کا بنیادی اور اہم رکن کاشتکاری ہی ہے، نیز قوموں کی ترقی کا معیار بھی کاشتکاری ہی ہے۔اس لیے قدیم زمانے سے ہی اس کی طرف نہ صرف توجہ دی گئی، بل کہ زراعت میں پائے جانے والے فوائد کے پیشِ نظر قدیم مصریوں میں یہ غلط عقیدہ گھر کر گیا تھا کہ ان کے بڑے معبود 'اوزیریس' اور 'ایزیس' نے ہی ان کی معاشی حالت کی آسانی کی غرض سے فن زراعت کو وجود بخشا ہے،اسی طرح جاہل یونانیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ زراعت کی طرف سب سے پہلے ان کی رہنمائی کرنے والا 'سیریس' تھا۔ان ہی غلط اعتقادات کی بنا پر بیل کی پرستش مختلف علاقوں میں رواج پائی اور ہندوؤں کی ایک بڑی جماعت آج تک اس کی پرستش کرتی چلی آرہی ہے۔(نعوذ باللہ من ذلک)

زراعت کا دائرہ

آج کل زرعی معاشیات میں فصلوں، درختوں، مویشیوں، مرغیوں اور مچھلیوں جیسی حیاتیاتی اشیاء کی پیداوار، سب کو شامل سمجھا جاتا ہے، سرمایہ کاری کے وسائل رکھنے والے مالدار کسان میکانیکی آلات کے ذریعہ زرعی فارم بناتے ہیں اور اس میں میکانیکی طریقے سے کاشت کرتے ہیں، بڑے زمیندار لوگ اپنی اراضی زیادہ تر بٹائی پر دے دیتے ہیں یا کبھی خود کاشت کرتے ہیں اور جن کے پاس چھوٹے پیمانے میں قطعاتِ اراضی ہیں وہ عموماً اجرتی مزدوروں کے ذریعہ کاشت کرتے ہیں۔

موجودہ دور میں زراعت کی اصطلاح میں باغات وغیرہ بھی شامل ہے،عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تمام اشیاء جو انسانوں اور حیوانوں کی غذا کے کام آتی ہیں زراعت میں شامل ہے، چنانچہ ضابطۂ دیوانی کے تحت وہ شخص جو اپنی گذر اوقات کے لیے کاشت کرتا ہے یا ایک مختصرسی زمین کا مالک ہے اوراس کی گذر اوقات کا انحصاراسی قطعۂ اراضی پر ہے، (وہ) زراعت پیشہ کہلاتا ہے۔زمیندار، کاشتکار کی تعریف میں نہیں آسکتا۔(قانونی لغت:۳۴)

حکمِ زراعت

قرآن مجید نے انسان کی جو ذمہ داریاں بتائی ہیں وہ تین طرح کی ہیں:
ایک وہ جس کا تعلق انسان اور پوری کائنات سے ہے، دوسری وہ جس کا تعلق انسان اوراس روئے زمین سے ہے جہاں وہ آباد ہے، تیسری وہ جس کا تعلق انسان اورصرف خالقِ کائنات سے ہے۔

یوں تو ساری ذمہ داریوں کا تعلق خالق کائنات سے ہے؛ لیکن ایک خاص پہلو سے دیکھا جائے تو یہ تین ذمہ داریاں سامنے آتی ہیں ۔ جب اللہ تعالی نے فرشتوں کے سامنے تخلیقِ آدم کا ارادہ ظاہر کیا تو اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ وہ ایک جانشین پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ کا جانشین یقیناً تمام مخلوقات سے افضل ہونا چاہیے۔،اسی لحاظ سے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔گویا خلافت وہ ذمہ داری ہے جس کا تعلق پوری کائنات سے ہے جس کا اثر پوری کائنات پر پڑتا ہے۔

دوسری ذمہ داری وہ ہے جس کا تعلق صرف ذاتِ الٰہی سے ہے ’و ما خلقتُ

الجنَّ والانسَ اِلّالِیَعبدون ’یعنی اللہ کی عبادت۔ یہ ذمہ داری صرف اللہ کی ذات سے تعلق رکھتی ہے۔ انسان اور اللہ کے درمیان براہِ راست ربط اسی سے قائم ہوتا ہے۔

تیسری ذمہ داری وہ ہے جس کا تعلق اس روئے زمین سے ہے، اس ذمہ داری کا تذکرہ مختلف آیات میں مختلف انداز سے آیا ہے، ایک جگہ پر ہے کہ واستعمرکم فیھا اللہ تعالیٰ نے تم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ تم اس روئے زمین کو آباد کرو، تعمیر ارض اس آیت میں انسان کی ذمہ داری بتائی گئی ہے، اسی لیے زمین کو انسانوں کے لیے متاع کہا گیا یعنی زمین میں تمہارے لیے ایک ایسا وقفہ ہے جس میں تم اس کی نعمتوں سے متمتع ہو سکتے ہو اور زمین سے متمتع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اسے آباد کیا جائے۔

زمین کی آبادکاری کے بارے میں قرآن کریم نے اور احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے متعدد ہدایات دی ہیں۔ واستعمرکم فیھا کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ’اس کے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی نے تم کو اس زمین کا آبادکار بنایا ہے، اس سے رزق حاصل کروگے، اس میں کاشت کروگے اور اس سے وہ تمام فائدے حاصل کروگے جو تمہیں اس سے اٹھانے چاہیے‘ (محاضرات معیشت:۲۲)

علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ زمین کی آبادکاری انسان کے ذمہ فریضہ ہے، یہ کام دینی طور پر فرض اور واجب ہے، اس لیے کہ جب اللہ تعالی کسی کام کا حکم دیتا ہے یا انسان سے مطالبہ کرتا ہے تو وہ مطالبہ

یا حکم فرضیت یا وجوب ظاہر کرتا ہے۔‘(محاضرات معیشت:۲۲)

علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ مزید وضاحت کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ واستعمر کم فیھا کے الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعمیرِ ارض کا کام واجب ہے، تعمیرِ ارض زراعت کے ذریعہ ہو، شجر کاری اور باغبانی کے ذریعہ ہو یا عمارتیں بنا کر ہو جس انداز سے بھی زمین کی آباد کاری ہو وہ قرآن کے اس حکم کی تعمیل ہوگی جس میں انسانوں کو اس زمین کے آباد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔‘(محاضرات معیشت:۲۲)

تعمیرِ ارض اور کاشتکاری ایسا فرض کفایہ ہے جو تمام مسلمانوں پر مجموعی حیثیت سے واجب ہے، اگر کچھ لوگ اس فرض کو بجالائیں گے تو بقیہ مسلمانوں کے لیے یہ عمل مندوب ومباح ہوجائے گا۔

علامہ قرطبیؒ سورہ بقرہ، آیت ۲۶۱، مثل الذین ینفقون أموالھم فی سبیل اللـــــــہ الآیۃ کی تفسیر میں رقم طراز ہے کہ ’زراعت فرض کفایہ ہے، اس لیے امیر المؤمنین پر لازم ہے کہ لوگوں کو کھیتی باڑی، باغبانی اور شجر کاری جیسے کاموں پر مجبور کریں۔‘(تفسیر قرطبی:۴-۳۲۲)

گویا یہ فریضہ امتِ مسلمہ پر اس وقت تک باقی رہے گا جب تک اس کی پیداوار مسلمانوں کے لیے کافی نہ ہوجائے اور غیروں سے اس بابت استغناء حاصل نہ ہوجائے، جب کہ یہ اپنی وسعت وقدرت میں بھی ہو۔

چنانچہ امّتِ مسلمہ میں سے کوئی بھی کاشتکاری وغیرہ نہ کرے اور اس سلسلے میں غیروں پر اعتماد کیا جاتا رہے تو پوری امّت مسلمہ اس فریضہ میں کوتاہی کرنے

والی اور اس کی تارک شمار ہوگی۔

ایسی حالت میں امام المسلمین کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو اس کام پر مجبور کریں تاکہ ان شعبوں میں کفایت حاصل ہو۔ اگر یہ کام کفایت کے طور پر کوئی نہ کرے تو پھر ہر شخص پر مستقلاً فرضِ عین ہوجائے گا۔ خاص طور پر ایسے وقت میں جب کہ انسان غذا سے عاجز ہوجائے، اور لوگوں کا محتاج ہوجائے۔

(ابن الحاج، المدخل: ۴/۴، بحوالہ: فضل الزراعۃ والعمل فی الأرض: ۲۸)

علّامہ یوسف القرضاوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

مسلمان جب زرعی زمین کا شرعی طریقہ پر مالک ہو تو اسے زمین کی کاشت کرنے یا درخت لگا کر اس سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ بغیر زراعت کے زمین کو بیکار چھوڑنا اسلام میں ایک ناپسندیدہ بات ہے کیوں کہ ایسی صورت میں نعمت خداوندی کی ناقدری ہوتی ہے، نیز یہ مال کا ضیاع بھی ہے جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اضاعتِ مال سے منع فرمایا۔ (اسلام میں حلال وحرام اردو: ۳۵۶)

زراعت کے متعلق بہت سے لوگوں کا یہ تصور کہ یہ پیشہ گھٹیہ درجہ کا ہے، کسی نیک شخص کو زیبا نہیں دیتا اور اس وجہ سے زراعت سے متعلق دوسرے پیشوں (مثلاً سرکاری ملازمتیں، انتظامی عہدے، محرری ومنشی گری، پیداواری کارگذاری، زمین کا سَروے کرنا وغیرہ) سے روگردانی کی جاتی ہے، جس سے زمینیں خراب اور ویرانی کا شکار ہوجاتی ہے، ان کا یہ خیال کسی صحیح بنیاد پر نہیں ہے، سراسر غلط ہے۔

ہر وہ مباح عمل جو اپنے کارندے کو شرافت بخشے، اور جس کے ذریعہ اللہ کے نزدیک اسے بلند درجہ اور لوگوں کے درمیان وقار حاصل ہو وہ کیسے گھٹیہ ہوسکتا ہے

؟ لہٰذا ان کی یہ سوچ کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ حالانکہ زراعت تو تمام پیشوں میں اشرف اور اعظم ہے، اور بہت سے علماء نے تو اسے افضل المکاسب لکھا ہے۔ اور اسے ان فرائض میں شمار کیا ہے جو مجموعی طور پر مسلمانوں پر واجب ہے۔

نیز اس میں کاشتکار اور شجرکار وغیرہ کو بڑا اجر ملتا رہے گا جب تک ان کی پیداوار سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے گا۔ نیز یہ تو صدقۂ جاریہ میں سے ہے کہ اس کا اجر موت کے بعد بھی منقطع نہیں ہوگا، اس کام کرنے والے کو صحابہ کرام رضي الله عنہم 'عمال اللہ' میں شمار کرتے تھے۔ زراعت سے توکل علی اللہ اور تواضع وانکساری پیدا ہوتی ہے۔ اور زراعت ہی سے بے شمار طبّی فوائد وابستہ ہیں۔

زمین سے فائدہ حاصل کرنے کے مختلف طریقے

زمین کا مالک اپنی زمین سے فائدہ اٹھانے کے مختلف طریقے اختیار کرسکتا ہے۔

۱۔ خود زراعت کرے یا درخت لگائے اور اس کی آب پاشی اور نگاہداشت کا اہتمام کرے یہاں تک کہ وہ برگ وبار لائے۔ یہ بڑا پسندیدہ کام ہے۔

۲۔ خود زراعت نہ کرسکتا ہو تو اپنی زمین ایسے شخص کو عاریۃً دیدے جو اپنے آلات، مزدوروں، اور جانوروں کے ذریعے کاشت کرسکتا ہو اور اس سے وہ کچھ نہ لے۔ اس طرح عاریۃً زمین دینا اسلام میں مطلوب ہے۔ حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من كانت له أرض فليزرعها أو ليمنحها أخاهُ۔ (متفق عليه)

’جس کے پاس زمین ہو وہ خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو (بلا اُجرت کاشت کے لیے) دیدے۔‘

بلکہ بعض سلف (مثلاً عطاءؒ، مکحولؒ، مجاہدؒ اور حسن بصریؒ) کا مسلک مذکورہ حدیث کے پیشِ نظر یہ ہے کہ زمین سے استفادہ کی یہی دو صورتیں ہیں ؛ یا تو خود زراعت کرے یا پھر بلا معاوضہ کسی کو زراعت کے لیے دیدے اس صورت میں زمین تو مالک کی ہی رہے گی ؛ البتہ اس کی پیداوار کاشت کرنے والے کو ملے گی۔ یہ حضرات ان دو شکلوں کے علاوہ نقد رقم کے عوض کاشت کرنے کے لیے زمین کرایہ پر دینے کو، اسی طرح دوسرے کسی قسم کے معاملے کو درست نہیں سمجھتے تھے۔

لیکن عبداللہ ابن عباسؓ نے اس طرح کے فرمانِ نبوی کو ندب واستحباب پر محمول کیا ہے، وجوب پر نہیں جیسا کہ طاؤسؒ کی روایت سے واضح ہوتا ہے۔ (کما فی البخاری)

۳۔ یا پھر زمین کا مالک اپنی زمین کسی ایسے شخص کو دیدے جو اپنے آلات، بیج اور جانوروں کے ذریعہ اس کی کاشت کرے اس شرط پر کہ پیداوار کا تناسب (Percentage) کے اعتبار سے مقررہ حصہ (جس پر وہ باہم متفق ہوں) کاشتکار کو ملے گا۔اس میں زمیندار کا کاشتکار کو بیج، آلات اور جانور فراہم کرنا بھی درست ہے۔ اس طریقے کی اور بھی شکلیں ہیں جن میں سے بعض صحیح اور بعض فاسد ہیں۔

(اس کو مزارعت کہتے ہیں جو اس مقالہ کا اصل موضوع ہے جس کو ان شاء اللہ عنقریب بیان کیا جائے گا)

۴۔ زمین کاشت کرنے والے کو اس شرط پر دی جائے کہ وہ مالکِ زمین کو نقد کی شکل میں طے شدہ کرایہ دے گا۔

اس طریقہ کو بہت سے مشہور فقہاء نے جائز کہا ہے، گرچہ بعض فقہاء نُھیٰ رسول اللّٰہ ﷺ عن کراء الأرض اور اس جیسی دیگر احادیث کے پیشِ نظر اس سے منع کرتے ہیں جیسا کہ اوجز المسالک، المغنی، بدایۃ المجتہد میں مندرج مذاہب کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے، لیکن صاحبِ بحرالرائق نے کھیتی کے لیے زمین کرایہ پر دینے کے جواز کے سلسلے میں اجماعِ عملی نقل کیا ہے۔ (کما فی البحر؛ زکریا: ۷/ ۵۱۸) (ملخص از اسلام میں حلال وحرام اردو: ۳۵۷ تا ۳۶۲)

۵۔ یا پھر مالکِ زمین کسی کاشتکار کو اجرت پر رکھ کر کھیتی حاصل کرے۔ اس میں کاشتکار اجیرِ خاص شمار ہوگا۔

زراعت کے معنی ومفہوم

زَرُعٌ کے معنی ہے کھیتی اور غَــرُسٌ کے معنی ہے باڑی، شجر کاری۔ حَـرَثَ (ن) حَــرُثــاً و حِـراثۃً اور زَرَعَ (ف) زَرُعــاً و زِراعۃً کے لغوی معنی ہے کھیتی کرنا اور ہل چلانا۔

کوئی آدمی خود اپنی مملوکہ زمین میں کھیتی باڑی کرے اور اس سے اپنی ضروریات پوری کرے اسے زراعت کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی فصلوں اور درختوں کے علاوہ مرغیوں اور مچھلیوں جیسی حیاتیاتی اشیاء کے پیداواری فارم کی شکل میں کاشت کرے اسے بھی آج کل زراعت کہا جاتا ہے۔

جو لوگ اس طرح اپنے ہاتھ سے کھیتی باڑی کر کے اپنے اہل وعیال کی پرورش کرتے ہیں اور اپنی ضرورت سے زائد پیداوار دوسروں کو فروخت کر کے ان کو فائدہ پہنچاتے ہیں وہ انسانی زندگی کا سب سے بڑا بنیادی کام کرتے ہیں، اس لیے وہ قابلِ صد مبارک باد ہیں۔ خاص طور پر خدا کی بے زبان مخلوق یعنی پرندے وغیرہ تو سال بھر کسان ہی کی محنت سے گذر بسر کرتے ہیں، یہ صدقۂ جاریہ کسی دوسرے پیشے میں اتنا عام نہیں ہے، اس لیے کھیتی باڑی کرنا بڑی فضیلت رکھتا ہے۔

ملکیتِ زمین

زراعت اور مزارعت (کما سیأتی) دونوں کا جواز اس امر پر مبنی ہے کہ انسان کو زمین کا مالک مانا جائے اور زمین کو انسان کی مملوکہ جائداد شمار کی جائے، اسی اعتبار سے کوئی انسان کسی زمین کو اپنی مملوکہ سمجھ کر اس میں اپنی مرضی کے مطابق کاشتکاری کرے گا یا دوسرے کو اجارے پر دے گا یا کسی سے مزارعت پر معاملہ کرے گا۔

دورِ حاضر میں کچھ سال پہلے جب اشتراکیت کا طوطی بول رہا تھا اور بہت سارے مسلمان مفکرین بھی اشتراکی فلسفہ سے متاثر ہو گئے تھے، اس وقت کچھ حضرات نے زمین کی شخصی ملکیت کا انکار کرتے ہوئے زراعت اور مزارعت کے انفرادی اور باہمی معاملہ وعقد کو نادرست قرار دینے کی کوشش کی اور اس باطل نظریہ کی تائید میں کچھ احادیث اور اقوالِ سلف سے استدلال کرنے کی بھی کوشش کی۔

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے 'اسلام اور جدید معاشی مسائل

جلد ہفتم وہشتم' میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگوفرمائی ہے جس کا خلاصہ چند سطور میں یہاں درج کیا جاتا ہے:

'غریبوں کی امداد کوغرض بنا کر مالدار افراد کے املاک کی: أنّ الأرض لله اوراس جیسی آیات اور دیگر احادیث سے غلط استدلال کے ذریعہ جبری ضبطی کرنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا دورِحاضر کے بعض اہلِ قلم کا یہ ثابت کرنا درست نہیں کہ زمین انفرادی ملکیت کے تحت نہیں آسکتی، نیز یہ بات بھی محل نظر ہے کہ زمین کی شخصی ملکیت کے خلاف قرآنی آیات اور مزارعت والی روایات سے استدلال کیا جائے۔ اور (زمینداروں کا کاشتکاروں پر مظالم ڈھانے اوراس جیسے دوسرے) مفاسد کے پیش نظر کراء الأرض ومزارعت کو مطلقاً ناجائز قرار دیا جائے اور تحدیدِ ملکیت کر کے زمینداری ختم کی جائے۔

نیز اس سلسلے میں ان حضرات کا علامہ ابن حزمؒ کے (کراءُالأرض کے عدمِ جواز کے) شاذ قول سے استدلال کرنا بھی نادرست ہے کیوں کہ قاضی شوکانیؒ اہل ظاہر ہونے، نیز بہت سے معاملات میں ابن حزمؒ کی تائید کرنے کے باوجود اس مسئلے میں ابن منذرؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

'أن الصحابة أجمعوا على جواز كراء الأرض بالذهب والفضة ونقل ابن بطّال اتّفاقَ فقهاء الأمصار عليه'

یعنی تمام صحابہ کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ سونا اور چاندی کے عوض زمین کو کرائے پر دینا جائز ہے اور ابن بطال نے تمام علاقوں کے فقہاء کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔

اور علامہ ابن حزمؒ کے بارے میں یہ بات بھی معروف ہے کہ بہت سے معاملات میں ان کے تفردات کو کبھی قبول نہیں کیا گیا ہے۔(تفصیل کے لیے ملاحضہ ہو؛ انعام الباری: ۶/ ۵۴۷تا ۵۵۰، اسلام اور جدید معاشی نظامی مسائل جلد ہفتم وہشتم: ۷/۱۳۳)

مزارعت کے لغوی معنی

'مزارعت' زِراعۃٌ اور زَرُعٌ سے مشتق ہے اور باب مفاعلہ کا مصدر ہے بمعنی بونا، بیج ڈالنا، بٹائی پر دینا، جوتنا۔ زِراعت کا لغوی معنی إنباتٌ (اُگانا) ہے جو بندے کی طرف اس کے مباشر ہونے اور حصولِ زرع کے اسباب اختیار کرنے کے لحاظ سے منسوب ہے ورنہ مُنبت حقیقی تخلیق وایجاد کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ ہے۔

مزارعت باب مفاعلہ سے ہونے کے اعتبار سے اس بات کا متقاضی ہے کہ اس میں دونوں جانب سے فعل کا وجود ہو جب کہ اس میں تو محض عامل ہی کی طرف سے فعل (بیج ڈالنا) پایا جاتا ہے۔فقہاء نے اس کے متعلق دو وَجہیں بیان کی ہیں؛ ایک یہ کہ بابِ مفاعلہ میں دونوں طرف سے فعل کا وجود لازمی نہیں ہے کیوں کہ اس باب کے بہت سے مصادر ایسے ہیں جن میں ایک ہی جانب سے وجودِ فعل ہوتا ہے۔مثلاً مُداواۃ، معالجہ، مقاتلہ (كمافي قاتلهم الله) اور معافاۃ (كمافي عافاك الله) وغیرہ۔اور دوسری یہ ہے کہ مزارعت میں بھی دونوں طرف سے وجودِ فعل ہوتا ہے، کیوں کہ زَرعٌ کا معنی (لغۃً وشرعاً) اِنبات ہے، اور اِنبات

بندے کے اعتبار سے 'حصولِ زرع کے اسباب مہیّا کرنا' ہے۔ اور یہ بات دونوں جانب سے پائی جاتی ہے کہ ایک کی طرف سے عمل اور دوسرے کی طرف سے عمل پر قدرت دینا۔ البتہ عرف میں صرف عامل ہی کو مزارع کہا جاتا ہے جیسے چوپائے کو دابّۃٌ کہا جاتا ہے۔ (بدائع الصنائع، ردّ المحتار)

مزارعت کے اصطلاحی معنی

فقہاء نے مزارعت کی مختلف تعریفیں تحریر فرمائی ہیں:

حنفیہ کے یہاں مزارعت کی تعریف یہ ہے: عَقدٌ علَی الزَّرعِ بِبَعْضِ الخارِجِ (کتاب المزارعۃ: ہدایہ، فتح القدیر) اور بدائع الصنائع میں ہے: عِبارَۃٌ عَنِ الْعَقْدِ عَلَی الْمُزارَعَۃِ بِبَعْضِ الْخارِجِ بِشَرائِطِہ المَوْضُوعَۃِ لَہٗ شَرْعاً. (کتاب المزارعۃ)

یعنی: شرعی شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے زمین کی بعض پیداوار بطورِ عوض دینے کی شرط پر کھیتی کرنے کا عقد کرنا۔

حنفیہ کے یہاں مزارعت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ابتداءً اِجارہ اور انتہاءً شرکت ہے۔ (یعنی فی الحال منفعت پر عقد کرنا اور پیداوار میں دونوں کا شریک ہونا)

اور مالکیہ کے یہاں مزارعت کی تعریف یہ ہے: الشِرْکَۃُ فِی الزَّرْعِ ویُقالُ الشِرْکَۃُ فِی الْحرْثِ (کھیتی کرنے میں شریک بنانا) ان کے یہاں مزارعت شرکت کی ایک قسم ہے۔ (عقد المزارعۃ فی الفقہ الاسلامی

دراسۃً و مقارنۃً :۱۲)

اورشوافع کے یہاں اس کی تعریف یہ ہے: هِيَ الْمُعامَلَةُ عَلَى الْأَرْضِ بِبَعْضِ مَايَخْرُجُ مِنْها وَالْبِذْرُ مِنَ الْمالِكِ. زمین کی بعض پیداوار کے عوض زمین کا معاملہ کرنا اور بیج مالکِ زمین کے ہو۔ چنانچہ اگر بیج عامل کے ہوتو اسے وہ مخابرہ کہتے ہیں۔المُخابَرَةُ هِي المُعامَلَةُ عَلَى الْأَرْضِ بِبَعْضِ مَا يَخْرُجُ مِنْهاوَالْبِذْرُ مِنَ الْعامِلِ .

لیکن بعض شوافع مزارعت ومخابرہ دونوں کا ایک ہی معنی بیان کرتے ہوئے یوں تعریف کرتے ہیں۔هُوَ اِسْتِكْراءُ الأَرْضِ بِبَعْضِ ما يَخْرُجُ مِنْها.

اورحنابلہ کے یہاں امام احمدؒ سے مالک کا بیج ہونے، نہ ہونے کوشرط قرار دینے کی روایات مختلف ہونے کی وجہ سے دوتعریفیں منقول ہے؛

(۱)المُزارَعَةُ:دَفْعُ اَرْضٍ وحَبٍّ لِمَنْ يَزْرَعُهٗ ويَقُوْمُ عَلَيْهِ أوْ دَفْعُ مَزْرُوْعٍ لِمَنْ يَعْمَلُ عَلَيْهِ بِجُزْءٍ مَعْلُوْمٍ مِنَ الْمُتَحَصَّلِ. یعنی کاشتکارکو پیداوار کے ایک متعین حصہ کے عوض زمین اور بیج سپرد کرنا۔

(۲)المُزارَعَةُ:دَفْعُ أَرْضٍ اِلٰى مَنْ يَزْرَعُهاأوْيَعْمَلُ فِيْها وَالزَّرْعُ بَيْنَهُما. یعنی کاشتکاروعامل کوزمین سپرد کرنا خواہ بیج زمیندار کے ہو یا عامل کے ہو؛لیکن ان کے یہاں پہلی تعریف ہی ظاہرالمذہب ہے۔(کشاف القنّاع، شرح المنتهیٰ،المغنی،الانصاف بحوالہ: عقد المزارعة فی الفقه الاسلامیّ دراسۃً و مقارنۃً؛۱۳)

خلاصہ یہ ہوا کہ شوافع اورحنابلہ کے یہاں مزارعت اسی کو کہا جائے گا جس

میں بیج مالک (زمیندار) کے ہو۔

بعض احناف سے بھی مزارعت ومخابرہ کا مذکورہ فرق منقول ہے کہ وہ بیج عامل کے ہونے کی صورت کومخابرہ اور صاحبِ ارض کے بیج ہونے کی صورت کومزارعت کہتے ہیں۔ (بنایہ: کتاب المزارعۃ:۱۱،۴۷۴)

البتہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے دونوں میں فرق اس طرح کیا ہے کہ اگر زمیندار کے بیج ہواور بیل وآلات کاشتکار کے ہوتو وہ مزارعت ہے اور اگر بیج اور بیل وآلات بھی زمیندار کے ہواور عامل کا صرف عمل ہوتو وہ مخابرہ ہے۔اسی طرح زمیندار صرف زمین اور باقی سب کاشتکار کا ہوتو وہ بھی مخابرہ ہے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ:۲-۳۶۵)

مگر عام طور پر مزارعت کے لیے بھی مخابرہ بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ موصلیؒ الاختیار لتعلیل المختار' میں فرماتے ہیں:

'مزارعت کومخابرہ اور محاقلہ بھی کہا جاتا ہے، مزارعت کومخابرہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ مخابرہ خیبر سے مشتق ہے اور چوں کہ حضورﷺ نے اہل خیبر سے اس طرح کا معاملہ کیا تھا، اس وجہ سے اسے مخابرہ کہا جاتا ہے، یا پھر الخبِیر (بمعنی الأکار یعنی شرکت میں کھیتی کرنا) سے مشتق ہے، یا پھر الخُبرۃ بالضم (بمعنی النصیب یعنی حصہ) سے مشتق ہے؛ کیوں کہ مزارعت میں بھی حصہ کے اعتبار سے معاملہ کیا جاتا ہے۔یا پھر الخِبار (بمعنی نرم زمین) سے مشتق ہے اور یہ اس لیے کہ مزارعت میں بھی نرم زمین (صالح للزراعۃ) شرط ہے۔

اور پھر علاّمہ موصلیؒ آگے محاقلہ کی وجہِ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہے:

محاقلہ، یہ حَقَلٌ سے مشتق ہے اور حَقَلٌ کے دو معنی ہے(۱) زَرْعٌ (یعنی جب کھیتی پھیل جائے اور شاخ در شاخ ہو جائے اور ابھی اپنی نال پر موٹی نہ ہوئی ہو) (۲) بمعنی زمین جو شور نہ ہو اور کھیتی کے قابل ہو۔

اور اہل عراق اسی کو 'القراح' بھی کہتے ہیں۔(الاختیار، بیروت:۸۵/۳، وکذا فی الرد المحتار:۳۹۷/۹)

نیز اہلِ مدینہ مساقاۃ کو معاملہ، مزارعہ کو مخابرہ، اجارہ کو بیع اور مضاربہ کو مقارضہ کہتے ہیں۔(عمدۃ القاری:۲۶۴/۱۲) اہلِ عراق بھی مساقاۃ کو معاملہ کہتے ہیں۔(لسان العرب بحوالۂ موسوعہ کویتیہ:۱۱۲/۳۷)

مزارعت کے ہم معنی الفاظ اور ان میں فرق

مزارعت کے لیے کبھی مساقاۃ، معاملہ، مناصبہ اور اجارہ کے الفاظ بھی بول دیے جاتے ہیں۔

'مساقاۃ ومعاملہ' میں محلِ عقد 'شجرِ مغروس' ہوتا ہے، جب کہ 'مناصبہ' میں محلِ عقد 'شجرِ غیر مغروس' ہوتا ہے۔اور مزارعت میں محلِ عقد 'بیج اور کھیتی' ہوتی ہے۔ اور 'اجارہ' ہر اس عقد کو شامل ہے جس میں کسی شیٔ کے عوض ایک متعین وقت تک کسی منفعت کا مالک بنایا جائے۔

البتہ اجارہ میں عامل کو عوض میں اجرت (قیمت یا متعین مال کی شکل میں) دی جاتی ہے اور مساقاۃ ومعاملہ، مناصبہ اور مزارعت میں پیداوار میں اشتراک ہوتا ہے۔(یعنی عامل کو بطورِ اجرت پیداوار دی جاتی ہے۔) مساقاۃ میں اُگے

ہوئے درختوں کے پھل آپس میں مشترک ہوتے ہیں، مناصبہ (جسے مغارسہ بھی کہا جاتا ہے) میں اُگے ہوئے درخت عامل و صاحبِ ارض کے درمیان مشترک ہوتے ہیں اور مزارعت میں پیداشدہ غلہ (فصل) عامل و صاحبِ ارض کے درمیان مشترک ہوتے ہیں۔

مزارعت کی مشروعیت کے متعلق اقوالِ فقہاء

مزارعت کی مشروعیت کے سلسلے میں فقہاء کے درمیان بڑا اختلاف ہے، حتی کہ علامہ شوکانیؒ نے اس بحث کو معضلات (پیچیدہ ابحاث) میں شمار کیا ہے۔
'فَالْمَسْئَلَةُ بِاْعْتبارِ اْخْتِلافِ الْمَذْهبِ فِيْها وَتَعْيِيْنِ راجِحِها مِنْ مَرْجُوْحِها مِنْ الْمُعْضَلاتِ'. (نیل الأوطار: ۵-۳۰۹)

مزارعت کے سلسلے میں واردشدہ احادیث اور آثارِ منقولہ ظاہری طور پر باہم متعارض ہیں، ایک طرف مزارعت ومخابرہ کی ممانعت میں صریح احادیث موجود ہیں تو دوسری طرف اس کے جواز اور مشروعیت کی صریح احادیث بھی پائی جاتی ہیں۔اسی ظاہری تعارض کی بنیاد پر فقہاء نے اس کی مشروعیت کے متعلق مختلف موقف اختیار کیے ہیں۔

چنانچہ بعض فقہاء نے ممانعت کی احادیث پر عمل کر کے جواز کی احادیث میں ممانعت کی احادیث کے ساتھ تطبیق دیتے ہوئے تاویل کر لی اور دیگر حضرات نے جواز کی احادیث کو معمول بہا بنا کر ممانعت کی احادیث کو ان کے ظاہری معنی سے دوسرے شرعی معانی کی طرف پھیر دیا۔بعض فقہاء نے ممانعت کی احادیث کو

منسوخ قرار دیا تو دیگر بعض فقہاء نے احادیثِ جواز کو منسوخ بتایا۔

نیز فقہاء کے اس اختلاف کا ایک سبب عقدِ مزارعت کی کیفیت کی تعیین میں پایا جانے والا اختلاف ہے، کسی نے اسے شرکت کی ایک نوع بتایا کہ اس میں مضاربت کی سی شان پائی جاتی ہے، تو کسی نے اسے اجارہ کے قبیل سے شمار کیا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام زفرؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں مزارعت جائز نہیں ہے۔ جب کہ امام احمدؒ اور صاحبینؒ مزارعت کے جواز کے قائل ہیں۔

بنایہ شرحِ ہدایہ میں ہے:

(قال أبو حنيفة رحمه اللّٰه:المزارعة بالثلث والربع باطلة) هذا لفظ القدوری وبه قال الشافعی ومالك .... (وقالا جائزة) أی قال أبويوسف ومحمد : جائزة وبه قال أحمد إذا كان البذر من صاحب الأرض وكثير من أهل العلم ...... (إلّا أن الفتوى على قولهما؛ لحاجة الناس إليها ولظهور تعامل الأمة بها)

(۱۱/۴۷۴، ۴۷۷، ۴۸۱)

البتہ امام اعظمؒ وزفرؒ مزارعت کے مطلقاً عدمِ جواز کے قائل ہیں۔ اور امام مالکؒ و امام شافعیؒ کے یہاں مزارعت کے جواز و عدمِ جواز میں تفصیل ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے یہاں محض مزارعت (منفرد عن المساقاۃ) جائز نہیں، البتہ مساقاۃ کے ضمن میں (تابع ہوکر) جائز ہے۔ پھر ان دونوں کے درمیان مساقاۃ کے محلِ عقد کے سلسلے میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ کھجور اور انگور ہی میں فقط مساقاۃ کے قائل ہیں اور امام مالکؒ تمام درختوں میں مساقاۃ کے جواز کے

قائل ہیں۔

پھر امام شافعیؒ کے یہاں تبعیت کے تقاضے کے مطابق مساقاۃ کے بالمقابل مزارعت کی زمین کم ہو۔ (چنانچہ اگر مساقاۃ کے بالمقابل مزارعت کی زمین زیادہ ہوتو گرچہ یہ بھی ان کے یہاں اصحّ قول کے مطابق جائز ہے،لیکن اس کے عدمِ جواز کا قول بھی ان کے یہاں پایا جاتا ہے،گویا امام شافعیؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ کی طرح مطلقاً مزارعت کے عدمِ جواز کے قائل ہے۔)

(کما فی الموسوعۃ الکویتیۃ ؛۵۲/۳۷)

اور امام مالکؒ کے یہاں تبعاً سے مراد مطلقاً تابع ہوکر جواز نہیں، بلکہ درختوں کے مابین کی خالی زمین میں مزارعت کرنا ہے، بشرطیکہ مزارعت کی زمین مساقاۃ کے بالمقابل بہت کم (ایک ثلث کے بقدر) ہو۔ (حوالہ سابق)

امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں:

(عن ابن عمرؓ أن رسول الله ﷺ عامل أهل خيبر بشطر مايخرج منها من ثمن أو زرع.) يحتجّ به الشافعيّ وموافقوه وهم الأكثرون فى جواز المزارعة تبعاً للمساقاة، وإن كانت المزارعة عندهم لاتجوز منفردةً فتجوز تبعاًلِلمساقاة فيساقيه على النخل ويزارعه على الأرض كما جرىٰ فى خيبر وقال مالكؒ لاتجوز المزارعة لا منفردةً ولاتبعاً إِلّا ما كان من الأرض بين الشجر. وقال أبوحنيفة وزفر: المزارعة و المساقاة فاسدتان سواءً جمعهما أو فرّقهما ولوعقدتا فسختا. وقال ابن أبى ليلىٰ وأبويوسف ومحمد و سائر الكوفيين وفقهاء المحدثين

وأحـمد وابن خزيمة وابن شريح و آخرون: تجوز المساقاة والمزارعة مـجتمعتين ويجوز كل واحدة منهما منفردةً وهذا هو الظاهر المختار لحديث خيبر.(شرح النووى مع المسلم: ٩١٤/٢)

حاصل یہ کہ امام ابوحنیفہؒ ،امام مالکؒ ،امام شافعیؒ ،امام زفرؒ وغیرہم اصلاً (انفرادی طور پر) مزارعت کے عدمِ جواز کے قائل ہیں، جب کہ صاحبینؒ اورامام احمدؒ مزارعت کے مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔(بـدايةالـمجتهدلابن الرشد : ٢/ ٢٤٦ ، وهـداية: كتـاب الـمسـاقـاة، والمغنى لابنى قدامة: ٥٨٢/٥، وبـدائـع : ٢٥٤/٥، وكتـاب الأم :١٢/٤، ومـختـصر اختلاف العلماء للطحاوى:٢١/٤، فتاوىٰ سراجية: ٥٣٥)

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم 'انعام الباری شرح بخاری' میں تحریر فرماتے ہیں:

'حنفی، مالکی، شافعی، تینوں ؛اصل مذہب میں مزارعتِ منفصلہ کے عدمِ جواز کے قائل تھے،لیکن بعد میں تینوں فقہاءِ متاخرین نے صاحبینؒ اورامام احمدؒ کے قول کے مطابق جواز کا فتویٰ دیا ہے۔اوراس کی وجہ یہ تھی کہ درحقیقت صاحبینؒ اور امام احمدؒ کے دلائل دوسرے حضرات کے مقابلے میں بڑے مضبوط تھے۔'
(۵۵۵/٦)

مزارعت فقہِ حنفی میں

امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ مزارعت کے مطلقاً عدمِ جواز کے قائل ہیں جب کہ صاحبینؒ مزارعت کے مطلقاً جواز کے قائل ہیں؛ البتہ فتویٰ تعاملِ امّت اور ضرورت کی وجہ سے صاحبینؒ کے قول پر ہے۔

صاحبِ قدوریؒ نے عقدِ مزارعت امام اعظمؒ کے یہاں باطل قرار دیا ہے، مگر امام صاحبؒ کا راجح قول کراہت کا ہے بطلان کا نہیں، جیسا کہ کتاب الآثار میں اور مؤطا امام محمدؒ میں ہے کہ امام اعظمؒ کے یہاں تہائی یا چوتھائی کی شرط پر بٹائی پر دینا مکروہ ہے (باطل نہیں)۔

محمد قال أخبرنا أبو حنيفة عن حماد أنه سأل طاؤساً و سالمَ بن عبدالله عن المزارعة بالثلث أو الربع، فقال: لا بأس به فذكرتُ ذلك لإبراهيم فكرهه.... كان أبو حنيفة يأخذ بقول إبراهيم و نحن نأخذ بقول سالمٍ و طاؤسٍ و لا نرىٰ بذلك بأساً. (كتاب الآثار لإمام محمدؒ باب المزارعة......)

و كان أبو حنيفة يكره ذلك (المؤطا للإمام محمدؒ؛ باب المزارعة)

صاحبِ مغنیؒ نے بھی امام اعظمؒ کے یہاں مزارعت کو مکروہ لکھا ہے۔

و كرهها عكرمة و مجاهد و النخعي و أبو حنيفةؒ. (المغنى: ۵۸۲/۵)

نیز صاحبِ ہدایہؒ امام قدوریؒ کی عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: (وهي فاسدة عند أبي حنيفةؒ) کہ مزارعت امام اعظمؒ کے نزدیک فاسد ہے۔

اسی طرح فتاویٰ سراجیہ میں بھی امام صاحبؒ کے یہاں مزارعت کو فاسد لکھا ہے۔

المزارعة فاسدة عند أبی حنیفةؒ وعندھما جائزة وعلیه الفتوٰی لحاجة الناس. (الفتاویٰ السراجیة: کتاب المزارعة؛ ٥٣٥)

یادرہے کہ امام اعظمؒ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود آپؒ نے مزارعت کی تفریعات قائم کرکے متعدد مسائل بیان کئے ہیں، جس کی ایک وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ شاید امام صاحبؒ کو اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ ان کے مذہب پر عمل کرنا لوگوں کے لیے مشکل ہوگا اس لیے انھوں نے اس میں شدت سے اختلاف نہیں کیا بلکہ اس بات تک کو گوارا کرلیا کہ اگر عوام صاحبینؒ کے مذہب کو اختیار کرلے تو اس کے تفصیلی احکام بھی انھیں معلوم ہوں۔ (شامی: ۳۹۸/۹، المبسوط: ۲۸/۲۳)

لیکن علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اس کی ایک دوسری توجیہ ذکر فرمائی ہے، آپؒ فرماتے ہیں:

ولم أکن أفھم دھراً مافی الھدایة فی أول باب المزارعة لاتجوز المزارعة والمساقاة عند أبی حنیفة ثم أراہ ینقل الخلاف فی المسائل بینه و بین صاحبیه أیضاً الخ ..(فیض الباری، ۲۹٥/۳، و کذا فی العرف الشذی علی ھامش جامع الترمذی : ۲٤٦/۱، ۲٤۷)

’میں یہ بات کافی عرصہ سے نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ ہدایہ کی کتاب المزارعة کے شروع میں یہ بات بیان ہوئی ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک مزارعت (بالثلث اوالربع) جائز نہیں پھر میں یہ بھی دیکھتا کہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان تفریعی مسائل کا اختلاف بھی موجود ہے۔ مجھے تعجب ہوتا تھا کہ جب امام

صاحبؒ اس کو جائز قرار نہیں دیتے تو پھر یہ تفریعات اور مسائل کہاں سے آ گئے ؟ اور یہ جواب بھی میرے دل کو نہیں لگتا تھا کہ امام صاحبؒ چونکہ جانتے تھے کہ لوگ ان کے مسئلے پر عمل نہیں کریں گے اس لیے انھوں نے یہ مسائل متفرع کیے تا کہ اگر لوگ مزارعت کریں تو اس کے احکام انہیں معلوم ہوں۔ پھر میں نے حاوی القدسی میں دیکھا کہ امام صاحبؒ نے اسے ناپسندیدہ (مکروہ) تو قرار دیا ہے؛ لیکن سختی سے منع نہیں فرمایا تو اس وقت اس کی یہ وجہ (مجھے) سمجھ میں آئی کہ ایک چیز بعض مرتبہ باطل ہوتی ہے؛ لیکن معصیت نہیں ہوتی، اس لیے اگر اس کے وقوع کو فرض کیا جائے تو اس کے احکام کو بیان کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لیے کہ اگر چہ وہ فی نفسہ باطل ہے؛ لیکن اس کے وقوع کو فرض کرنا شرعاً محال نہیں لہٰذا اگر ہم اسے فرض کریں گے تو لامحالہ اس کے احکام بھی ہوں گے، اس لیے امام صاحبؒ نے اس کے تفریعی مسائل کو ذکر فرمایا۔ (ترجمہ از غرر کے اثرات، ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی: ۱۰۷)

ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ بالا بات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقدِ مزارعت امام صاحبؒ کے یہاں اگر چہ باطل ہے؛ لیکن معصیت نہیں یعنی اصل حکم تو یہ ہے کہ اگر کوئی یہ عقد کرے گا تو وہ عقد ہی باطل ہو جائے گا؛ لیکن عقد کرنے والا گنہگار نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی ایسے امام کے مسلک پر عمل کرتا ہے جس کے نزدیک یہ عقد باطل نہ ہو تو اس کو اس کے مزید تفصیلی احکام جاننے کی ضرورت ہوگی چونکہ ایسا شخص امام صاحبؒ کے نزدیک معصیت کا مرتکب نہیں، اس لیے انہوں نے بھی اس کے تفریعی احکام ذکر

فرمادیئے؛ لیکن اس تعبیر پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ باطل پر احکام کیسے مرتب ہو سکتے ہیں؟ لہٰذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے امام صاحبؒ کے نزدیک باطل نہیں بلکہ مکروہ قرار دیا جائے اور علامہ کشمیریؒ کی عبارت کے آخری حصے (اِنّ الشیءَ قد یکون باطلاً و لایکون معصیةً) میں بھی باطل سے باطل بالمعنی الأعمّ یعنی مکروہ مرادلیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مالی معاملات پر غرر کے اثرات: ۱۰۶تا۱۰۸)

جسٹس مولانا سیّد امیر علیؒ، صاحبِ عین الہدایہ، 'فتاوی عالمگیری اردو' کے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ:

لما أجاز صاحب الشرع صريحاً فقد جازت المزارعة و بهذا تتبين وجه قولهما، و من ههنا علمت أن قولهم في وجه الفتوى على قولهما 'لحاجة الناس'، ليس كما ينبغي ، ألا ترى أن النص لا تعارضه حاجة الناس لا تحريما و لا تحليلاً ، فلو قالوا لورود النص لكان أولى

ترجمہ: جب صاحب شرع نے مزارعت کی صراحتاً اجازت دی ہے تو مزارعت جائز ہونی چاہیے، اور اسی سے صاحبینؒ کے قول کی دلیل واضح ہو جاتی ہے،۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ صاحبین کے قول پر فتوی کے سلسلے میں فقہاء نے جو یہ کہا ہے کہ اس کا جواز لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے ہے، مناسب نہیں۔ کیوں کہ حاجۃ الناس کسی چیز کے حلال یا حرام ٹھہرانے میں نص سے معارضہ کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اگر فقہاء یہ کہتے کہ (صاحبین کے نزدیک) مزارعت کا جواز نص کے وارد ہونے کی وجہ سے ہے تو یہ بہتر ہوتا۔ (عالمگیری اردو، قدیم ۴/۱۲۳)

مزارعت کے عدمِ جواز کے دلائل

جو حضرات مزارعت کے عدمِ جواز کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مخابرہ و مزارعہ سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ثابت بن ضحاک ؓ سے روایت ہے:

زعم ثابت أنّ رسول اللّٰہ ﷺ نهىٰ عن المزارعة وأمر بالمؤاجرة وقال: لابأس بها. (مسلم: ۱٤/۲) (آپ ﷺ نے مزارعت سے روکا اور اُجرت کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔)

اسی طرح ابوداؤد میں ہے:

عن زيد بن ثابت قال نهىٰ رسول اللّٰہ ﷺ عن المخابرة قلتُ وما المخابرة ؟ قال أن تأخذ الأرض بنصفٍ أوثلث أوربع(أبوداؤد: ٤۸۳)

آپ ﷺ نے مخابرہ سے منع فرمایا، میں نے پوچھا مخابرہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: زمین آدھے یا تہائی یا چوتھائی کے عوض لینا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے تہائی یا چوتھائی وغیرہ پر بٹائی کا معاملہ کرنے سے منع فرمایا۔

بل کہ ابوداؤد شریف کی ایک روایت ہے، جس میں حضور ﷺ سے مخابرہ ترک نہ کرنے والوں کے بارے میں بڑی سخت وعید منقول ہے:

عن جابر بن عبدالله سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: من لم يذر المخابرة فليؤذن بحربٍ من الله ورسوله.(أبوداؤد باب فی المخابرة : ٤۸۳)

حضرت جابر بن عبداللہؓ نے حضور اقدس ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جو کوئی مخابرہ ترک نہ کرے اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے اعلانِ جنگ سنا دو۔

مزارعت کے جواز کے دلائل

جن حضرات کے یہاں مزارعت جائز ہے وہ اس کی دلیل میں حضور ﷺ کے معاملہء اہل خیبر کو پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بذاتِ خود اہلِ خیبر سے مزارعت کا معاملہ کیا ہے اور آپ ﷺ کے فعل کا ادنیٰ درجہ جواز ہے۔ اور اس کی مشروعیت توارُثِ امت سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے دور سے آج تک امت مسلمہ کا یہ عمل مسلسل چلا آرہا ہے اور کسی نے بھی اس پر نکیر نہیں فرمائی۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وجه قولهما ما روي أنّ رسول اللّٰه ﷺ دفع نخلَ خيبر معاملةً وأرضَها مزارعةً. وأدنىٰ درجاتِ فعله عليه الصلاة والسلام الجواز. وكذاهي شريعةٌ متوارثةٌ لِتعاملِ السلف والخلف ذلك من غير اِنكارٍ. (۲۵۵/۵)

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی زمین کا مالک ہوتا ہے مگر سلیقہ سے کھیتی باڑی کرنا اسے نہیں آتا اور نہ ہی اس کے پاس اجیر ومزدور کو بہ طورِ اجرت دینے کے لیے نقد (روپیہ پیسہ وغیرہ) رقم ہے۔ اور ایک دوسرے شخص کو سلیقے سے کھیتی باڑی کرنا تو آتا ہے مگر اس کے پاس زمین نہیں، اس لیے ضرورت اس بات کی متقاضی

ہے کہ زمین کو بٹائی پر دیا جائے، جس سے دونوں کی ضرورت اچھی طرح پوری ہو جائے۔

دُرر الحکام شرح مجلّۃ الاحکام میں ہے:

أمّا عند الإمامين فجائزةٌ لأنّ رسول اللّٰه عليه السلام قد اتّفق مع أهل خيبر على نصف المحصولات كما أنّه من المحتمل أن لايكون صاحب الأرض مقتدراً على زراعتها بنفسه وأن لايوجد لديه نقود لدفع اُجرةٍ لزرعِ أرضِه فيكون محتاجاً لإعطاءِ أرضِه مزارعةً، وبما أنّ بعض الناس يكون قادراًعلى العمل ولايكون لديه أرضٌ يزرعها أو عملٌ يعمل به أو نقدٌ يستأجر به فجُوِّزتِ المزارعة دفعاً للحاجةِ.

(درر الحكام،بيروت:٤٨٩/٣)

نیز عقدِ مزارعت، یہ ایک کا مال (زمین) اور دوسرے کا عمل دونوں کو ملا کر کیا جانے والا ایک معاملہ ہے اس لیے جس طرح بین المال والعمل کا معاملہ ہونے کے باوجود مضاربت جائز ہے اسی طرح مزارعت بھی جائز ہے۔

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے؛

(ولِأنّه عقد شركةٍ بين المال والعمل، فيجوز اعتباراًبالمضاربة) فاِنّها أيضاً عقد شركةٍ بين المال والعمل من المضارب.

(البناية ؛ نعيمية: ٤٧٧/١١)

مذہبِ احناف میں مزارعت کا جواز خلافِ قیاس ہے۔

امام اعظمؒ کے یہاں عدمِ جواز کی بنیاد احادیث کے علاوہ ایک قیاسی دلیل

بھی ہے اور وہ یہ کہ مزارعت درحقیقت ایک طرح کا عقدِ اجارہ ہے، جس میں اجرت کا معلوم ہونا ضروری ہے اور یہاں مزارعت میں پیداوار کے بعض حصہ (ثلث، ربع وغیرہ) کو بیان کرنا اجرتِ مجہولہ ہے۔ نیز اس میں 'قفیز الطحان' (حاصلِ عمل کو اجرت بنانے) کا معنی بھی پائے جاتے ہیں جس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

ہدایہ میں ہے؛

ولـه مـا رُوي أنـه عـليـه الـصلاة والسلام نهىٰ عن المخابرة وهي الـمـزارعة، ولِأنّـه استئجارٌ ببعض مايخرج من عمله، فيكون فى معنى قفيز الطحان ولأن الأجر مجهول أو معدوم، وكل ذلك مُفسد.

(هداية، بشرىٰ:۱۰۰/۷)

لیکن صاحبینؒ اور جمہور فقہاءؒ نصف، تہائی اور چوتھائی وغیرہ کو اجرتِ معلوم قرار دیتے ہیں، جس سے اجرتِ مجہولہ کا اعتراض باقی نہیں رہتا۔

ومـنهـا(أي الشرائط):أن يكون ذلك البعض من الخارج معلوم الـقـدر مـن الـنصف والثلث والربع ونحوه. (بـدائـع الـصنائع،زكريا: ۲۵۸/۵)

نیز ان حضرات نے مزارعت کو قفیز الطحان پر قیاس کرنے کو تعاملِ امت کی وجہ سے متروک شمار کر کے مزارعت کا ثبوت خلافِ قیاس قرار دیا ہے۔

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے؛

(والـقيـاس يتـرك بـالتـعـامل كما فى الِاستصنا ع) أى كما ترك

القيـاس فى الاستصناع لتعامل الناس به. فإن قلتَ: إنّما يترك القياس بـالتـعامل إذا لم يكن فى المسئلة اختلاف فى الصدر الأوّل وههنا قد اختلف الصحابة رضى اللـه تعالى عنهم. قلتُ: الأصحّ انعقاد الاجتماع مع سبق الاختلاف. فكان جريان التعامل بعد ذلك إجماعاً على جوازه. وأيضاً إنّ الاختلاف ما كان لأجل فساد المزارعة و قد روى عن الطحاوى عن زيد بن ثابت أنه قال يغفر الله لرافع ابن خديج أنا والله أعلم بالحديث منه، وإنما جاء رجلان من الأنصار إلى النبى ﷺ قد اختلفا فقال إن كان هذا شأنكم فلا تكروا الأرض، فعلم أن الكراهية لنفى الشر بينهم . (بناية: ۴۸۱/۱۱)

أنّ جواز المزارعة ثبت بالنص مخالفاً للقياس. (بدائع الصنائع: ۲۶۰/۵)

ممانعت کی روایات کے متعلق وضاحت

ممانعتِ مزارعت کی روایات کے متعلق ایک وضاحت (جو مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی کتاب 'آپ کے مسائل اور ان کا حل' میں ایک استفتاء کے جواب کی شکل میں درج ہے، وہ یہاں نقل کی جاتی ہے:

صحابۂ کرامؓ میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت سعد بن ابی وقّاص، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، جیسے اکابر صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے مزارعت کا معاملہ ثابت ہے۔ بلکہ بعض روایات سے معلوم

ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے آخری دور تک مزارعت پر کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا۔

چنانچہ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ارشاد مروی ہے:

کُنّا لانریٰ بِالُخبر بأساً حتّی کان عام أوّل فزعم رافعٌ أنّ نبيّ اللّٰہ ﷺ نفیٰ عنه. (۱۲/۲) ہم مزارعت میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔اب یہ پہلا سال ہے کہ رافع کہتے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

کان ابن عمرؓ یکری مزارعه علی عهد النبي ﷺ وأبی بکر وعمر وعثمان و صدراً من إمارة معاویة ثم حدّث عن رافع بن خدیج أنّ النبيّ ﷺ نهیٰ عن کراء الأرض. (بخاری شریف : ۳۱۵/۱)

حضرت ابن عمرؓ اپنی زمین کرائے (بٹائی) پر دیا کرتے تھے آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اور حضرت معاویہؓ کے ابتدائی دور میں ۔پھر انھیں حضرت رافعؓ کی روایت سے بتایا گیا کہ آنحضرت ﷺ نے زمین کرایے پر اٹھانے سے منع کیا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے:

عن طاؤسٍ عن معاذبن جبل:أکریٰ الأرض علی عهد رسول اللّٰہ ﷺ وأبی بکر وعمر وعثمان علی الثلث والربع فهو یعمل به اِلی یومك هذا. (ابن ماجه : ۱۷۷)

حضرت طاؤسؒ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبلؓ نے آنحضرت ﷺ،

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد تک زمین بٹائی پر دی تھی، پس آج تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کا یہ واقعہ یمن سے متعلق ہے۔ آنحضرت ﷺ نے انھیں قاضی کی حیثیت سے یمن بھیجا تھا۔ وہاں کے لوگ مزارعت کا معاملہ کرتے تھے، حضرت معاذؓ نے (جن کو آنحضرت ﷺ نے 'حلال وحرام کا سب سے بڑا عالم' فرمایا تھا) اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ خود بھی مزارعت کا معاملہ کیا۔ حضرت طاؤسؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے فرستادہ (معاذؓ) نے یمن کی اراضی میں جو طریقہ جاری کیا تھا، آج تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔

حاصل یہ کہ دورِ نبوّت اور خلافتِ راشدہ کے عہد میں اکابر صحابہؓ کا اس پر عمل تھا اور مزارعت کے عدمِ جواز کا سوال کم از کم اس دور میں نہیں اٹھا تھا جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں مزارعت کی اجازت ہے اور احادیثِ 'مخابرہ' میں جس مزارعت سے ممانعت فرمائی گئی ہے اس سے مزارعت کی وہ شکلیں مراد ہیں جو دورِ جاہلیت سے چلی آتی تھیں۔

یہ اکابر صحابہؓ جو مزارعت کا معاملہ کرتے تھے، مزارعت کی ممانعت ان کے لیے صرف شنیدہ نہیں تھی، دیدہ تھی۔ وہ یہ جانتے تھے کہ مزارعت کی کون سی قسمیں زمانۂ جاہلیت سے رائج تھیں، آنحضرت ﷺ نے ان کو ممنوع قرار دیا اور مزارعت کی کون سی صورتیں باہمی شقاق وجدال کی باعث ہوسکتی تھیں آپ ﷺ نے ان کی اصلاح فرمائی۔ مزارعت کی جائز وناجائز صورتوں کو وہ گویا اسی طرح جانتے تھے

جس طرح وضو کے فرائض وسنن سے واقف تھے، ان میں ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جو مزارعت کے کسی ناجائز معاملے پر عمل پیرا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نکیر کا سوال کب ہوسکتا تھا؟ یہ صورتِ حال حضرت معاویہؓ کے ابتدائی دور تک قائم رہی۔ مزارعت کے جواز وعدمِ جواز کا مسئلہ پوری طرح بدیہی اور روشن تھا اور اس نے کوئی خاص غیر معمولی نوعیت اختیار نہیں کی تھی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد کچھ حالات ایسے پیش آئے جن سے یہ مسئلہ بدیہی کے بجائے نظری بن گیا، اور بحث وتمحیص کی ایک صورت بن گئی، غالباً بعض لوگوں نے مسئلۂ مزارعت کی نزاکتوں کو پوری طرح ملحوظ نہ رکھا اور مزارعت کی بعض وہ صورتیں وقوع میں آنے لگیں جن سے آپ ﷺ نے منع فرمایا تھا اس پر صحابۂ کرامؓ نے نکیر فرمانا شروع کیا اور مزارعت کی نہی کی احادیث بیان فرمادیں۔

إن رسول الله ﷺ نهى عن المزارعة. (مسلم : ٢-١٤)

إن رسول الله ﷺ نهى عن المخابرة. (مسلم ٢-١١)

نهى رسول الله ﷺ عن كراء الأرض. (مسلم : ٢-١١)

ادھر بعض لوگوں کو ان احادیث کا مفہوم سمجھنے میں دقّت پیش آئی، انہوں نے یہ سمجھا کہ ان احادیث کا مقصد ہر قسم کی مزارعت کی نفی کرنا ہے۔ اس طرح یہ مسئلہ بحث ونظر کا موضوع بن گیا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جو افاضل صحابہ کرامؓ اس وقت موجود تھے، انہوں نے اس نزاع کا فیصلہ کس طرح فرمایا۔

کتبِ احادیث میں ممانعت کی روایتیں تین صحابہؓ سے مروی ہے: رافع بن خدیج، جابر بن عبداللہ اور ثابت بن ضحّاک۔ (رضی اللہ عنہم)

حضرت ثابت بن ضحاکؓ کی روایت اگرچہ نہایت مختصر اور مجمل ہے، تاہم اس میں یہ تصریح ملتی ہے کہ زمین کو زرِ نقد پر دینے (ٹھیکے پر دینے) کی ممانعت نہیں ہے۔

أنّ رسول اللّٰہ ﷺ نھیٰ عن المزارعة وأمر بالمؤاجرة، وقال: لابأس بھا. (رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا اور زرِ نقد پر اٹھانے کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا: اس کا مضائقہ نہیں۔)

(مسلم: ۱۴/۲، اور طحاوی: ۲۱۳/۲ میں صرف پہلا جملہ ہے)

حضرت جابرؓ اور حضرت رافعؓ کی روایات میں خاصا تنوّع پایا جاتا ہے، جس سے ان کا صحیح مطلب سمجھنے میں اُلجھنیں پیدا ہوئی ہیں۔

حضرت رافعؓ کی روایات کے بارے میں یہاں 'خاصے تنوع' کا جو لفظ استعمال ہوا، حضراتِ محدثین اسے اضطراب سے تعبیر کرتے ہیں۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

حدیثُ رافعٍ حدیثٌ فیه اضطرابٌ، یروی هذاالحدیث من رافع بن خدیج ویروی عنه ظهیر بن رافع، وهو أحد عمومته وقد رویٰ هذاالحدیث عنه علی روایات مختلفة۔ (جامع ترمذی: ۱۶۶/۱)

امام طحاویؒ فرماتے ہیں:

وأمّا حدیث رافع بن خدیجؓ فقد جاء بألفاظٍ مختلفةٍ اضطرب

من أجلها. (شرح معانی الآثار: ۲۸۵/۲ کتاب المزارعة والمساقاة)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

وقداختلفت الرواة فی حديث رافع بن خديجؓ اختلافاًفاحشاً.

(حجّة اللّٰه البالغة: ۳۶۶/۲)

تاہم مجموعی طور پر دیکھا جائے تو ان کی کئی قسمیں ہیں اور ہر قسم کا الگ الگ محمل ہے۔

اوّل: بعض روایات میں ممانعت کا مصداق مزارعت کا وہ جاہلی تصوّر رہے جس میں یہ طے کرلیا جاتا تھا کہ زمین کے فلاں عمدہ اور زرخیز ٹکڑے کی پیداوار مالک کی ہوگی اور فلاں حصّے کی پیداوار کاشتکار کی ہوگی، اس میں چند در چند قباحتیں جمع ہوگئیں تھیں۔

اوّلاً: معاشی معاملات باہمی تعاون کے اصول پر طے ہونے چاہیے، اس کے برعکس یہ معاملہ سراسر ظلم واستحصال اور ایک فریق کی صریح حق تلفی پر مبنی تھا۔

ثانیاً: یہ شرط فاسد اور مقتضاءِ عقد کے خلاف تھی کیونکہ جب کسان کی محنت تمام پیداوار میں یکساں صرف ہوئی ہے تو لازم ہے کہ اس کا حصہ تمام پیداوار میں سے دیا جائے۔

ثالثاً: یہ قمار کی ایک شکل تھی، آخر اس کی کیا ضمانت ہے کہ مالک یا کسان کے لیے جو قطعہ مخصوص کردیا گیا ہے وہ بار آور بھی ہوگا؟

رابعاً: اس قسم کی غلط شرطوں کا نتیجہ عموماً نزاع وجدال کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔ ایسے جاہلی معاملہ کو برداشت کرلینے کے معنی یہ تھے کہ اسلامی معاشرہ کو ہمیشہ

کے لیے جدال وقتال کی آماجگاہ بنادیا جائے۔ آنحضرت ﷺ مدینہ طیّبہ تشریف لائے تو ان کے ہاں اکثر و بیشتر مزارعت کی یہی غلط صورت رائج تھی۔ آپ ﷺ نے اس کی اصلاح فرمائی، غلط معاملہ سے منع فرمایا اور مزارعت کی صحیح صورت پر عمل کر کے دیکھایا۔ مندرجۂ ذیل روایات اس پر روشنی ڈالتی ہیں:

عن رافع بن خديج حدّثني عمّاي أنّهم كانوا يكرون الأرض على عهد رسول اللّٰه ﷺ بما ينبت على الأربعاء أو بشيءٍ يستثنيه صاحب الأرض فنهانا النبيُّ ﷺ عن ذلك فقلتُ لرافع: فكيف هي بالدينار والدراهم، فقال رافع: ليس بها بأس بالدينار والدراهم، وكأنّ الّذي نُهي عن ذلك ما لَو نظر فيه ذو الفهم بالحلال والحرام لم يجيزوه لما فيه من المخاطرة. (صحيح بخاري: ۳۱۵/۱)

الف: رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں میرے چچا بیان کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں لوگ زمین مزارعت پر دیتے تو یہ شرط کر لیتے کہ نہر کے متصل کی پیداوار ہماری ہوگی یا کوئی اور استثنائی شرط کر لیتے۔ (مثلاً: اتنا غلّہ ہم پہلے وصول کریں گے پھر بٹائی ہوگی) آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ (راوی کہتے ہیں) میں نے حضرت رافعؓ سے کہا: اگر زرِنقد کے عوض زمین دی جائے اس کا کیا حکم ہوگا؟ رافعؓ نے کہا: اس کا کوئی مضائقہ نہیں! لیثؒ کہتے ہیں مزارعت کی جس شکل کی ممانعت فرمائی گئی تھی اگر حلال وحرام کی فہم رکھنے والے لوگ غور کریں تو کبھی اسے جائز نہیں کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس میں معاوضہ ملنے نہ ملنے کا اندیشہ (مخاطرہ) تھا۔

حدّثني حنظلة بن قيس الأنصاري قال: سألتُ رافع بن خديج عن كراء الأرض بالذهب والورق، فقال: لابأس به إنّما كان الناس يؤاجرون على عهد رسول اللهﷺعلى المأذيانات وإقبال الجداول وأشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذاويهلك هذا فلم يكن للناس كراء إلّا هذا فلِذلك زجر عنه، وأمّا شيءٌ معلوم مضمون فلابأس به. (صحيح مسلم: ۱۳/۲)

ب:حنظلہ بن قیسؒ کہتے ہیں میں نے حضرت رافع بن خدیجؓ سے دریافت کیا کہ سونے چاندی (زرِنقد) کے عوض زمین ٹھیکے پر دی جائے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کوئی مضائقہ نہیں! دراصل آنحضرتﷺ کے زمانے میں لوگ جومزارعت کرتے تھے (اور جس سے آنحضرتﷺ نے منع فرمایا تھا) اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ زمیندار زمین کے ان قطعات کو جو نہر کے کناروں اور نالیوں کے سروں پر ہوتے تھے، اپنے لیے مخصوص کر لیتے تھے اور پیداوار کا کچھ حصہ بھی طے کر لیتے۔ بسااوقات اِس قطعہ کی پیداوار ضائع ہو جاتی اور اُس کی محفوظ رہتی، کبھی برعکس ہوجاتا۔ اس زمانے میں لوگوں کی مزارعت کا بس یہی ایک دستور تھا۔ اس بنا پر آنحضرتﷺ نے اسے سختی سے منع کیا؛ لیکن اگر کسی معلوم اور قابلِ ضمانت چیز کے بدلے میں زمین دی جائے تو اس کا مضائقہ نہیں۔

اس روایت میں حضرت رافعؓ کا یہ جملہ خاص طور پر توجہ طلب ہے: فلم یکن للناس کراءٌ إلّاهذا لوگوں کی مزارعت کا بس یہی ایک دستور تھا۔

اوران کی بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے: ان دنوں سونا چاندی نہیں تھے۔

اس کا مطلب (واللہ اعلم) یہی ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے، ان دنوں زمین ٹھیکے پر دینے کا رواج تو قریب قریب عدم کے برابر تھا۔ مزارعت کی عام صورت بٹائی کی تھی؛ لیکن اس میں جاہلی قیود وشرائط کی آمیزش تھی۔ آنحضرت ﷺ نے نفسِ مزارعت کو نہیں بلکہ مزارعت کی اس جاہلی شکل کو ممنوع قرار دیا اور مزارعت کی صورت معین فرمائی۔ یہ صورت وہی تھی جس پر آنحضرت ﷺ نے اہلِ خیبر سے معاملہ فرمایا اور جس پر آپ ﷺ کے زمانے میں اور آپ ﷺ کے بعد اکابر صحابہؓ نے عمل کیا۔

جابر بن عبداللّٰہ یقول: کنّا فی زمن رسول اللّٰہ ﷺ نأخذ الأرض بالثلث أو الربع بالمأذیانات فنھیٰ رسول اللّٰہ ﷺ عن ذلك.

(شرح معانی الآثار للطحاوی: ۲۸۹/۲)

ج: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ہم آنحضرت ﷺ کے زمانے میں زمین لیا کرتے تھے نصف پیداوار پر، تہائی پیداوار پر اور نہر کے کناروں کی پیداوار پر؛ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا تھا۔

د: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں: لوگ اپنی زمین مزارعت پر دیا کرتے تھے، شرط یہ ہوتی تھی کہ جو پیداوار گول (الساقیہ) پر ہوگی اور جو کنویں کے گردوپیش پانی سے سیراب ہوگی وہ ہم لیا کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے نہی فرمائی۔ اور فرمایا: سونے چاندی پر دیا کرو۔

عن نافع أنّ ابن عمر کان یکری مزارعه علی عهد النبيّ ﷺ وأبی بکر وعمر وعثمان وصدراً من إمارة معاویة ثم حدث عن رافع

بن خديج: أنّ النبيّ ﷺ نهىٰ عن كراء المزارع فذهب ابن عمر إلى رافع وذهبتُ معه فسأله، فقال: نهىٰ النبيّ ﷺ عن كراء المزارع، فقال ابن عمر: قد علمتَ أنا كنّا نكرى مزارعنا على عهد رسول اللّٰه ﷺ بما على الأربعاء شيءٌ من التبن. (صحيح بخاری: ۳۱۵/۱)

ھ : حضرت نافعؒ کہتے ہیں: حضرت ابن عمرؓ اپنی زمین مزارعت پر دیا کرتے تھے آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضي الله تعالى عنہم کے دور میں اور حضرت معاویہؓ کے ابتدائی دور تک بھی۔ پھر ان سے بیان کیا گیا کہ رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے زمین کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ، حضرت رافعؓ کے پاس گئے، میں بھی ساتھ تھا۔ ان سے دریافت کیا، انہوں نے فرمایا: آنحضرت ﷺ نے زمین کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا: آپ کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ ہماری مزارعت آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اس پیداوار کے عوض ہوا کرتی تھی جو نہروں پر ہوتی تھی اور کچھ گھاس کے عوض۔ (آنحضرت ﷺ نے اسی سے منع فرمایا تھا)۔

حضرت رافع بن خدیج، جابر بن عبداللہ، سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر رضي الله عنہم کی ان روایات سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ مزارعت کی وہ جاہلی شکل کیا تھی جس سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا تھا۔

دوم: نہی کی بعض روایات اس پر محمول ہیں کہ بعض اوقات زائد قیود و شرائط کی وجہ سے معاملہ کنندگان میں نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی تھی، آپ ﷺ نے ایسے ہی موقع پر فرمایا تھا کہ اس سے تو بہتر یہ ہے کہ تم اس قسم کی مزارعت کے

بجائے زرِنقد پر زمین دیا کرو۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ کو جب یہ خبر پہنچی کہ رافع بن خدیجؓ مزارعت سے منع فرماتے ہیں تو آپؓ نے افسوس کے لہجہ میں فرمایا؛

یغفراللّٰہ لرافع بن خدیج ، أنا واللّٰهِ أعلم بالحدیث منه، اِنّما رجلانِ 'قال مسدد من الأنصار، ثم اتفقا قد اقتتلا، فقال رسول اللّٰہ ﷺ إِن کان ھذا شأنکم فلاتکروا المزارع.(أبوداؤد: ٤٨١ ،واللفظ له، ابن ماجه: ١٧٧)

اللہ تعالیٰ رافع کی مغفرت فرمائے۔ بخدا! میں اس حدیث کو ان سے بہتر سمجھتا ہوں۔قصہ یہ تھا کہ آنخضرت ﷺ کی خدمت میں انصار کے دو شخص آئے ان کے مابین مزارعت پر جھگڑا تھا اورنوبت مرنے مارنے تک پہنچ گئی تھی (قد اقتتلا) تو آنخضرت ﷺ نے فرمایا:ان کان ھذا شأنکم فلاتکروا المزارع جب تمہاری حالت یہ ہے تو مزارعت کا معاملہ ہی نہ کرو۔

رافعؓ نے بس اتنی بات سن لی ''تم مزارعت کا معاملہ نہ کیا کرو۔

عن سعدبن أبی وقاص قال: کان أصحاب المزارع یکرون فی زمان رسول اللّٰهصلی الله علیه وسلممزارعهم بما یکون علی الساق من الزرع فجاء وا رسول اللّٰہ ﷺ فاختصموا فی بعض ذلك فنهاهم رسول اللّٰه ﷺ أن یکروا بذلك وقال: اکروا بالذهب والفضة. (سنن نسائی: ١٥٣/٢)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ زمیندار اپنی زمین اس

پیداوار کے عوض جو نہروں پر ہوتی تھی، دیا کرتے تھے۔ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور مزارعت کے سلسلے میں جھگڑا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس پر مزارعت نہ کیا کرو۔ بل کہ سونے چاندی کے عوض دیا کرو۔

ان دو روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص مقدمہ کا فیصلہ فرماتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے دونوں فریقوں کو فہمائش کی تھی کہ وہ آئندہ 'مزارعت' کے بجائے زرِ نقد پر زمین لیا دیا کرو۔

سوم: احادیثِ نہی کا تیسرا محمل یہ تھا کہ بعض لوگوں کے پاس ضرورت سے زیادہ زمین تھی اور بعض ایسے محتاج اور ضرورت مند تھے کہ وہ دوسروں کی زمین مزارعت پر لیتے، اس کے باوجود ان کی ضرورت پوری نہ ہوتی، آپ ﷺ نے اُن لوگوں کو، جن کے پاس ضرورت سے زائد اراضی تھی یہ ہدایت فرمائی تھی کہ وہ حُسنِ معاشرت، مواسات، اسلامی اخوت اور بلند اخلاقی کا نمونہ پیش کرے اور اپنی زائد زمین ضرورت مند بھائیوں کے لیے وقف کر دیں۔ اس پر انہیں اللہ کی جانب سے جو اجر وثواب ملے گا، وہ اس معاوضہ سے یقیناً بہتر ہوگا جو اپنی زمین کا وہ حاصل کرتے تھے۔

عن رافع بن خديج قال: مرّ النبيُّ ﷺ على أرض رجل من الأنصار قد عرف أنه محتاج، فقال: لمن هذه الأرض؟ قال: لفلانٍ أعطانيها بالأجر، فقال: لو منحها أخاه، فأتى رافع الأنصار، فقال: إنّ رسول اللّٰه ﷺ نهاكم عن أمرٍ كان لكم نافعاً وطاعة رسول اللّٰه ﷺ أنفع لكم. (سنن نسائی: ۱۵۱/۲)

رافع بن خدیج ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک انصاری کی زمین پر سے گذرے، یہ صاحب محتاجی میں مشہور تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ زمین کس کی ہے؟ اس نے بتایا کہ فلاں شخص کی ہے، اس نے مجھے اجرت پر دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کاش وہ اپنے بھائی کو بلاعوض دیتا۔ حضرت رافعؓ انصار کے پاس گئے، ان سے کہا: رسول اللہ ﷺ نے تمہیں ایک ایسی چیز سے روک دیا ہے جو تمہارے لیے نفع بخش تھی اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل تمہارے لیے اس سے زیادہ نافع ہے۔

عن جابر سمعتُ النبيّ ﷺ يقول: من كانت له أرض فليَهبها أو لِيعرها. (مسلم : ٢ - ١٢)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، جس کے پاس زمین ہو اُسے چاہئے کہ وہ کسی کو ہبہ کردے یا عاریۃً دے دے۔

عن ابن عباس: أنّ النبيّ ﷺ قال: لأن يمنح أحدكم أخاه أرضه خيرٌ له من أن يأخذ عليها كذا وكذا. (مسلم : ٢ - ١٤)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: البتہ یہ بات کہ تم میں سے ایک شخص اپنے بھائی کو اپنی زمین کاشت کے لیے بلاعوض دے دے اس سے بہتر ہے کہ اس پر اتنا اتنا معاوضہ وصول کرے۔

یعنی ہم نے مانا کہ زمین تمہاری ملکیت ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ قانون کی کوئی قوّت تمہیں ان کی مزارعت سے نہیں روک سکتی، لیکن کیا اسلامی اخوت کا تقاضہ یہی

ہے کہ تمہارا بھائی بھوکوں مرتا رہے، اس کے بچے سسکتے رہیں، وہ بنیادی ضرورتوں سے محروم رہے؛ لیکن تم اپنی ضرورت سے زائد زمین جسے تم خود کاشت نہیں کر سکتے، وہ بھی اسے معاوضہ لیے بغیر دینے کے لیے تیار نہ ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمان بھائی کی ضرورت پورا کرنے پر حق تعالی شانہ کی جانب سے کتنا اجر وثواب ملتا ہے؟ یہ چند ٹکے جو تم زمین کے عوض قبول کرتے ہو، کیا اس اجر وثواب کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟

آنحضرت ﷺ اور حضرات مہاجرینؓ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بعد حضرات انصارؓ نے اسلامی مہمانوں کی معاشی کفالت کا بارِگراں جس خندہ پیشانی سے اٹھایا، ایثار ومروّت، ہمدردی وغم خواری اور اخوت ومواسات کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا (نهى عن كراء الأرض) کی احادیث بھی اسی سنہری معاشی کفالت کا ایک باب ہے۔

امام بخاریؒ نے ان احادیث پر یہ باب قائم کر کے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

باب ما كان أصحاب النبيّ ﷺ يواسى بعضُهم بعضاًفي الزراعة والثمرة. (صحيح بخاری: ۱/۳۱۵)

ذرا تصور کیجیے ایک چھوٹا سا قصبہ (المدینہ) اس میں انصار کی کل آبادی ہی کتنی تھی؟ ان کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ لے دے کر یہی زمینیں! جو اسلام سے پہلے خود ان کی اپنی ضروریات کے لیے بھی بصد مشکل کفالت کرتی ہوں گی، ان کی جان نثاری وبلند ہمتی نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں دے کر یہ عہد کر لیا تھا کہ ہم اپنی

اور اپنے بال بچوں کی نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی کفالت کریں گے۔ انہوں نے یہ عہد جس طرح نبھایا وہ سب کو معلوم ہے۔(رضي الله عنهم وأرضاهم وجزاهم عن الإسلام والمسلمين خير الجزاء)اطراف واکناف سے کھینچ کھینچ کر قافلوں کے قافلے یہاں جمع ہو رہے تھے اور حضرات انصارؓ اهلاً وسهلاً و مرحباً کہہ کر ان کا استقبال فرما رہے تھے۔ کون اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ چھوٹی سی بستی اور اس کے یہ چند گنے چنے 'انصارِ اسلام' کتنے معاشی بوجھ کے نیچے دب گئے ہوں گے؛ لیکن صد آفرین ان وفاکش فدائیوں کو! کہ ایک لمحہ کے لیے انہوں نے اس بوجھ سے اکتاہٹ کا احساس تک نہیں کیا۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے مہمانوں کی خاطر اپنا سب کچھ پیش کر دیا۔ گویا ان کا اپنا کچھ نہیں تھا، جو کچھ تھا رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ اور ان کی حیثیت محض رسول اللہ ﷺ کے کارندوں کی تھی۔ سوچنا چاہئے کہ ان حالات میں 'انصارِ اسلام' کو اگر رسول اللہ ﷺ یہ فرماتے ہیں: 'جس کے پاس زمین ہو وہ اپنے بھائی کو ہبہ کر دے یا اسے عاریۃً دے دے۔' کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اسلام میں مزارعت کا باب ہی سرے سے مفقود ہے؟ ان احادیث کو مدینہ طیبہ کے معاشی دباؤ اور حضرات انصارؓ کی 'کفالتِ اسلامیہ' کے پس منظر میں پڑھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ان کا منشاء یہ نہیں کہ اسلام میں مزارعت ناجائز ہے (اگر ایسا ہوتا تو خود حضور ﷺ اور اکابرِ صحابہؓ یہ معاملہ کیوں کرتے؟) بلکہ ان کا منشاء یہ ہے کہ بقول سعدیؒ ؎

ہر چہ درویشاں را است وقف محتاجاں است

آپ اپنی ضرورت پوری کیجئے اور زائد از ضرورت کو ضرورت مندوں کے حِسبۃً للہ وقف کر دیجیے۔ یہ تھے احادیثِ نہی کے تین محمل، جس کی وضاحت حضراتِ صحابہ کرامؓ نے فرمائی اور جن کا خلاصہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ میں یہ ہے :

وكان وجوه التابعين يتعاملون بالمزارعة، ويدل على الجواز حديث معاملة أهل خيبر وأحاديث النهي عنها محمولةعلى الإجارة بما على المأذيانات أو قطعة معينة وهو قول رافع رضي الله عنه، أو على التنزيه والإرشاد، وهو قول ابن عباس رضي الله عنهما أو على مصلحة خاصة بذلك الوقت من جهة كثرة مناقشتهم في هذه المعاملة حينئذٍ ، وهو قول زيدٍ رضي الله عنه، والله أعلم. (حجة الله البالغة: ۳۶۶/۲)

(صحابہؓ کے بعد) اکابر تابعین مزارعت کا معاملہ کرتے تھے، مزارعت کے جواز کی دلیل اہلِ خیبر سے معاملہ کی حدیث ہے اور مزارعت سے ممانعت کی احادیث یا تو ایسی مزارعت پر محمول ہیں جس میں نہروں کے کناروں (ماذیانات) کی پیداوار یا کسی معین قطعہ کی پیداوار طے کر لی جائے جیسا کہ حضرت رافعؓ نے فرمایا، یا تنزیہ وارشاد پر جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، یا اس پر محمول ہیں کہ مزارعت کی وجہ سے بکثرت مناقشات پیدا ہو گئے تھے۔ اس مصلحت کی بنا پر اس سے روک دیا گیا جیسا کہ حضرت زیدؓ نے بیان فرمایا۔ واللہ اعلم

قریب قریب یہی تحقیق حافظ ابن جوزیؒ نے 'التحقیق' میں اور امام خطابیؒ

نے 'معالم السنن' میں کی ہے، مگر اس مقام پر حافظ تورپشتی شارح مصابیحؒ کا کلام بہت نفیس و متین ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

'مزارعت کی احادیث، جو مؤلف (صاحب مصابیح) نے ذکر کی ہیں اور جو دوسری کتب حدیث میں موجود ہیں، بظاہر ان میں تعارض و اختلاف ہے، ان کی جمع و تطبیق میں مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت رافع بن خدیجؓ نے نہی مزارعت کے باب میں کئی حدیث سنی تھیں جن کے محمل الگ الگ تھے۔ انہوں نے ان سب کو ملا کر روایت کیا، یہی وجہ ہے کہ کبھی وہ فرماتے ہیں: 'میں نے رسول اللہﷺ سے سنا ہے۔' کبھی کہتے ہیں: 'میرے چچاؤں نے مجھ سے بیان کیا۔' کبھی کہتے ہیں: 'میرے دو چچاؤں نے مجھے خبر دی۔' بعض احادیث میں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ شرائط لگا لیتے تھے اور نامعلوم اجرت پر معاملہ کرتے تھے، چنانچہ اس کی ممانعت کر دی گئی۔ بعض کی وجہ یہ ہے کہ زمین کی اجرت میں ان کا جھگڑا ہو جاتا تا آنکہ نوبت لڑائی تک پہنچ جاتی۔ اس موقع پر آنحضرتﷺ نے فرمایا: 'لوگوں! اگر تمہاری یہ حالت ہے تو مزارعت کا معاملہ ہی نہ کرو۔' یہ بات حضرت زید بن ثابتؓ نے بیان فرمائی ہے۔ بعض احادیث میں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرتﷺ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ مسلمان اپنے بھائی سے زمین کی اجرت لے، کبھی ایسا ہوگا کہ آسمان سے برسات نہیں ہوگی، کبھی زمین کی روئیدگی میں خلل ہوگا، دریں صورت اس بے چارے کا مال ناحق جاتا رہے گا، اس سے مسلمانوں میں باہمی نفرت و بغض کی فضا پیدا ہوگی۔ یہ مضمون حضرت ابن عباسؓ کی حدیث سے سمجھا جاتا ہے کہ 'جس کی زمین ہو وہ خود کاشت کرے یا کسی بھائی کو کاشت کے

لیے دے دے۔‘ تاہم یہ بطور قانون نہیں بلکہ مروت و مساوات کے طور پر ہے۔ بعض احادیث میں ممانعت کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کاشتکاری پر فریفتہ ہونے، اس کی حرص کرنے اور ہمہ تن اسی کے ہورہنے کو ان کے لیے پسند نہیں فرمایا، کیونکہ اس صورت میں وہ جہاد فی سبیل اللہ سے بیٹھے رہتے، جس کے نتیجہ میں ان سے غنیمت و فَيْء کا حصہ فوت ہو جاتا۔ (آخرت کا خسارہ مزید براں رہا) اس کی دلیل ابوامامہؓ کی حدیث ہے۔‘

إشارة الى ماروا ه البخاري من حديث امامةؓ ’لايدخل هذا بيتاً الّا دخلهُ الذلّ (بخارى شريف : ۱-۳۱۲)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں مزارعت نہ مطلقاً جائز ہے نہ مطلقاً ممنوع۔ بلکہ اس بات کی تمام احادیث کا مجموعی مفاد ’کج دار و مریز‘ (انکار میں درپردہ اقرار) کی تلقین ہے۔ حضرات فقہاء امت نے اس بات کی نزاکتوں کو پوری طرح سمجھا، چنانچہ تمام فقہی مسالک میں کج دار و مریز کی دقیق رعایت نظر آئے گی اور یہ بحث و تحقیق کا ایک الگ موضوع ہے۔ (والله وليّ البداية والنهاية) (ماخوذ از آپ کے مسائل اور ان کا حل؛ دارالکتاب: ۹۵/۶ تا ۱۱۴)

ارکانِ مزارعت

زراعت ومزارعت کی پہچان بنیادی طور پر چار چیزوں پر موقوف ہے، جن کے بغیر زراعت و مزارعت کا تصوّر نہیں ہوسکتا وہ چاروں چیزیں یہ ہیں:
(۱) زمین۔ (۲) بیج۔ (۳) عمل اور (۴) بیل۔ (آلاتِ زراعت)

البتہ عقدِ مزارعت کی صحت کے لیے صیغۂ عقد کا ہونا ضروری ہے اور احناف کے یہاں صیغۂ عقد ہی رکنِ مزارعت ہے۔ 'و رکنها عند الحنفية الصيغة' (موسوعہ کویتیہ: ۵۲/۳۷)

صیغۂ عقد سے مراد ایجاب وقبول ہے، وہ اس طرح ہوگا کہ زمیندار، کاشتکار (مزدور) سے کہے گا کہ 'میں نے یہ زمین بہ طورِ مزارعت اتنی پیداوار کے عوض تجھے سپرد کی' اور عامل (مزدور و کاشتکار) جواب میں کہے گا 'میں نے قبول کیا' یا 'میں اس پر راضی ہوں' یا پھر اس (عامل) سے ایسی کوئی بات صادر ہو جو قبول کرنے یا رضامند ہونے پر دلالت کرے۔

اسی طرح اگر اس کے برعکس ہو یعنی کاشتکار، زمیندار سے مطالبہ کرے کہ 'تو اپنی زمین بہ طورِ مزارعت مجھے دے تاکہ میں اس میں کاشتکاری (کا عمل) کروں' اور وہ زمیندار اس پر راضی ہو جائے یا اسے قبول کرلے یا پھر اس سے قبول کرنے یا راضی ہونے کے قبیل کی کوئی بات صادر ہو۔

لہٰذا اگر یہ دونوں (ایجاب وقبول) پائے جائیں گے تو یہ عقدِ (مزارعت) تام ہو جائے گا۔

’وأمّا ركن المزارعة فهو الإيجاب والقبول وهو أن يقول صاحب الأرض للعامل:دفعتُ إِليك هذه الأرضَ مزارعةً بكذا ويقول العامل : قبلتُ أو رضيتُ أو مايدلّ على قبوله ورضاه فإذا وُجِدا تمّ العقد .

(بدائع الصنائع؛زكريا: ٢٥٥/٥)

دررالحکام میں ہے:

’المادة:(١٤٣٢) ركن المزارعة الإيجاب والقبول فعليه إذا قال صاحب الأرض للعامل أى للزارع : أعطيتُك هذه الأرضَ مزارعةً على أن تأخذ من الحاصلات كذا حصةً، وقال الزارع : قبلتُ أو رضيتُ أو قال لصاحب الأرض:أعطنى أرضك علىٰ وجه المزارعة لأعمل فيها ورضى الآخرتنعقد المزارعة۔ (٤٩٣/٣)

درّ مختار میں ہے:’وأركانها أربعةٌ:أرضٌ وبذرٌ وعملٌ وبقرٌ‘ (شامی؛ زکریا:۳۹۷/۹) علّامہ رافعیؒ فرماتے ہیں:(قول الشارح وأركانها أربعةٌ) يعنى أنه يتوقّف معرفتها على هذه الأربعة وإلّا فركنها الإيجاب والقبول.اه (٢٩٩/٩)

محل عقد (زمین) اور عاقدین جو دیگر ائمہؒ کے نزدیک ارکانِ مزارعت میں شمار ہوتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک ان کو ایجاب وقبول کے لوازمات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔

’عقد المزارعة فى الفقه الاسلامى دراسةً مقارنةً‘ میں ہے:

فالحنفية يذهبون إِلى أنّ أركان العقد هى الإيجاب والقبول

فقط وأمّا ماعدا ذلك من المحل والعاقدين فهى لوازم، لأنه يلزم من وجود الإيجاب أن يكون هناك موجب۔ وهو أحد طرفى العقد، وكذالك القبول يلزمه وجود قابلٍ وهو الطرف الآخر۔ و وجودهما مرتبطين لايكون إلّا إذا وُجد المحلُ يظهر فيه أثر هذه الارتباط، وغيرالحنفية يقولون أنّ هذه كلها -العاقدان والمعقود عليه والصيغة- أركانٌ لأنّ العقد لايتصوّر ولايوجد اِلّابها. (ص:۳۷)

حکمِ مزارعت باعتبارِ ثبوتِ ملک

عقدِ مزارعت میں ملکیت ثابت ہونے ،نہ ہونے کے متعلق دو حکم ہے:

للمزارعة حُكمان :

(۱) فی الحال منفعت کی ملکیت اور (۲) دوسرا حکم انتہاءً پیداوار میں شرط کے مطابق شراکت۔

یعنی ابتداءِ عقد سے کاشتکار زمین کی منفعت کا مالک بن جاتا ہے اور زمیندار عامل کی منفعت کا مالک بن جاتا ہے اور انتہاء میں دونوں شرط کے مطابق پیداوار میں شریک ہوجاتے ہیں۔

الحكم الأول: الحكم حالًّا وهو عبارة عن ملك المنفعة أى أنّ المزارِعَ يملك منفعة الأرض وصاحبَ الأرض يملك منفعة العامل.

والحكم الثانى: الحكم مآلًا وهو عبارة عن الشركة فى الخارج على الوجه المشروط.(درر الحكام : ۳-٤۹۳، ماده :۱٤۳۲)

انتہاءً شرکت کے حکم پر تفریع کرتے ہوئے آگے تحریر ہے کہ اگر پیداوار ہی

نہ ہوتو اس حکم ثانی یعنی شرکت فی الخارج کا تحقق نہ ہوگا۔

وفی هذه الصورة لولم يحصل محصولٌ فلايكون لِأحدِ العاقدين شیءٌ أی ليس للعامل أخذُ أجرةِ عمله كما أنّ ليس لِصاحب الأرض أخذ أُجرة أرضه سواءٌ كان البذرُ من صاحب الأرض أو من العامل كما أنّه لو تلفتِ الحاصلات قبل الإدراكِ بِإصابتها بإحدى الآفات فليس لأحدهما أن يطالب الآخر.... (الهندية فی الباب الأوّل و ردّ المحتار بزيادةٍ دررالحكّام شرح مجلة الأحكام:۴۹۳/۳)

مسئلہ: اگر(مزارعت کے صحیح ہونے کی صورت میں) پیداوار نہ ہو تو عاقدین میں سے کسی کے لیے کچھ نہ ہوگا، عامل نہ اجرتِ عمل مانگ سکتا ہے اور نہ زمیندار اجرتِ ارض مانگ سکتا ہے۔(خواہ بیج کسی کے بھی ہو) اور یہی حکم ہوگا اس وقت بھی جب کہ پیداوار ہو؛ لیکن کسی آسمانی آفت وغیرہ کی وجہ سے پیداوار تلف (ضائع) ہوجائے۔

حکم مزارعت باعتبارِ لزومِ عقد

عقدِ مزارعت کے لازم ہونے، نہ ہونے کا مدار بیج (بذر) پر ہے، کیونکہ بیج کو زمین میں ڈالنا کسی درجہ میں ان کو تلف کرنا اور برباد کرنا ہے، اور انسان کو اپنی چیز تلف کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا تلف کرنے یعنی زمین میں بیج ڈالنے سے قبل اس کو حق ہوگا کہ اپنی چیز تلف نہ کرے۔

لأن البذر يهلك فی التراب فلايكون الشروع فيه ملزما فی حقه

، إذ الإنسـان لا يـجبر على اتلاف ملكه و لا كذلك من ليس البذر من قبـلـه ، لأنـه ليس فى لزوم المعنى إياهم إتلاف ملكهم فكان الشروع فى حقهم ملزما (بدائع، كتاب المزارعة، ٥:٤ ٢٦)

اس لیے عاقدین میں سے جس کے بیج (دانے) ہوں (خواہ وہ کاشتکار ہو یا زمیندار) اس کے حق میں عقدِ مزارعت دانے زمین میں ڈالنے سے قبل غیر لازم ہوگا یعنی صاحبِ بذر (بیج کا مالک) اگر عقد کو فسخ کرنا چاہے تو دانے زمین میں ڈالنے سے پہلے بغیر کسی عذر کے بھی اس کے لیے مذکور عقد فسخ کرنے کی شرعاً گنجائش ہے؛ البتہ دانے زمین ڈالنے کے بعد وہ (صاحبِ بذر) بغیر کسی شرعی عذر کے مذکور عقدِ مزارعت کو فسخ نہیں کرسکتا۔

اور جس کے بیج نہ ہو اس کے حق میں یہ عقد لازم ہوگا یعنی اس (غیر صاحب بذر) کے لیے اپنے ساتھی (صاحبِ بذر) کی رضا مندی کے بغیر عقدِ مزارعت فسخ کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔ (درر الحکّام:۳/۴۹۴، بدائع الصنائع:۵/۲۶۴، تبیین الحقائق:۶/۴۳۱)

صاحب بذر کے لیے عدم لزوم مطلب:

صاحبِ بذر کے عدم لزوم مطلقاً نہیں، بلکہ مشروط ہے، تفصیل اس کی آگے آرہی ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ: ۱۷۳۔

کن اعذار سے مزارعت کا معاملہ فسخ ہوتا ہے اور فسخ کی صورت میں کیا حکم ہوگا؟ اس کا تفصیلی بیان عنقریب آئے گا۔ (ان شاء اللہ)

مزارعت کی شرائط کا بیان

مزارعت کی شرائط دوطرح کی ہیں:

(۱) وہ شرطیں جو مصححِ عقد ہیں اور (۲) وہ شرطیں جو مفسدِ عقد ہیں۔

شرائط صحت عقد

صاحبینؒ کے یہاں مزارعت کا جواز مطلقاً نہیں، بلکہ اس کے صحیح ہونے کے لیے کچھ شرطیں ہیں۔ ان شرطوں کو سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین ہونا ضروری ہے کہ عقدِ مزارعت میں عاقدین، زمین، دانے، مدت، پیداوار اور منفعت سے ہی بحث ہوتی ہے اس لیے مندرجہ ذیل شرطیں بھی انہی میں سے کسی نہ کسی سے متعلق ہوں گی۔ بعض شرطیں عاقدین سے متعلق، بعض زمین اور بیج سے متعلق ہوں گی تو دوسری کچھ شرطیں پیداوار اور مدتِ مزارعت سے تعلق رکھتی ہوں گی۔

(۱) عاقدین سے متعلق ایک شرط ہے۔

دونوں میں عقد کی اہلیت ہو یعنی دونوں عاقل (ممیّز) ہوں، تصرف کرنے پر قادر ہوں یعنی ایجاب وقبول کر سکتے ہوں۔ بالغ اور آزاد ہونا ضروری نہیں۔

نیز عاقدین میں سے کوئی امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مطابق مرتد نہ ہو۔ کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک مرتد کے تصرفات موقوف رہتے ہیں اس لیے فی الحال یہ عقد درست نہ ہوگا۔ البتہ صاحبینؒ کے نزدیک مرتد شخص کا معاملۂ مزارعت فی الحال بھی نافذ ہو جائے گا۔

اگر عاقدین میں سے کوئی مرتدہ عورت ہو تو باتفاقِ حنفیہ اس مرتدہ کا عقدِ

مزارعت صحیح ہے۔أما المرتدة فتصح مزارعتها باتفاق الحنفيه.(الفقه الاسلامی وأدلتہ:۵/۴۸۵)

مسئلہ: اگر عاقدین (مزارعت) میں سے کوئی ایک یا دونوں صبی ممیّز ماذون (یعنی اجازت دیا ہوا سمجھدار بچہ) ہو یا عبدِ ماذون ہو تو یہ عقد درست ہوگا، البتہ صبی ممیّز غیر ماذون کا عقد ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

يصح أن يكون كلا العاقدين صبيّاً ماذوناً كما أنه يصح أن يكون أحدهما صبيّاً غير ماذونٍ والآخر عاقلاً بالغاً أمّا إذا كان الصبى المميّز غيرماذونٍ فيكون عقد المزارعة موقوفاً على إذن وليه.
(درر الحکام:۳/۴۹۴)

مسئلہ: قادیانی سے عقدِ مزارعت درست ہے یا نہیں؟

قادیانی چونکہ مرتد اور خارج از اسلام ہیں، مرتد سے عقدِ مزارعت کے سلسلے میں ائمۂ احناف کے مابین اختلافِ رائے ہیں؛ صاحبینؒ کے رائے کے مطابق ان سے عقدِ مزارعت کرنا درست ہے جب کہ امام صاحبؒ کی رائے کے مطابق یہ عقد فی الحال نافذ نہ ہوگا، بلکہ وہ اس کے توبہ کرنے اور از سرِ نَو اسلام قبول کرنے پر موقوف ہوگا۔

والثانى: ان لا يكون مرتداً على قول أبى حنيفة فى قياس قول من أجاز المزارعة فلا تنفذ مزارعته للحال، بل هى موقوفة۔ وعندهما هذا ليس بشرطٍ لجواز المزارعة ومزارعة المرتد نافذة للحال۔
(بدائع: ٥/٢٥٦)

مفتی محمد نافع عارفی 'اسلام کا نظامِ زراعت' میں تحریر فرماتے ہیں:

'ہندوستان اور اس جیسے دیگر ملکوں -جہاں اسلامی قانون کے رُو سے مرتدین کو قتل کرنا ممکن نہیں ہے- کے تناظر میں غور کیا جائے تو خیال ہوتا ہے کہ یہاں (ہندوستان) حضرت امام صاحبؒ کی رائے پر فتوی دینا بہتر اور مناسب ہوگا، تاکہ اس پر ایک قسم کا سماجی دباؤ پڑے اور شاید اسی وجہ سے دوبارہ اسلام قبول کرنے مجبور پر ہو جائے۔ وھذا من عندی ، واللّٰہ ھو الموفق واِلیہ المرجع و المآب۔' (اسلام کا نظامِ زراعت: ٦٠)

(۲) دانے سے متعلق دو شرطیں ہیں۔

شرط اول (ا): مَن علیہ البذرُ (صاحبِ بذر) کون ہوگا (یعنی بیج کس کا ہو گا) یہ طے کر دیا جائے۔ تاکہ معقود علیہ (یعنی منفعتِ زمین یا عامل کا عمل) معلوم ہو جائے کیوں کہ اگر بیج زمیندار کے ہوگے تو وہ عامل کے منافع (معقود علیہ) حاصل کرے گا اور اگر بیج عامل کے ہوگے تو وہ زمیندار کی زمین کے منافع حاصل کرے گا۔ بالفاظِ دیگر یہ معلوم ہو جائے کہ مستاجر (کرایہ دار) کون ہے۔ یعنی زمیندار عامل کو اُجرت پر لینے والا ہے یا کاشتکار عامل، زمیندار سے اس کی زمین اجرت پر لینے والا ہے، تاکہ بعد میں مزارعت مفضی الی المنازعۃ (جھگڑے کا باعث) نہ بنے۔

والرابع : بیان من علیہ البذر، قطعاً للمنازعۃ واِعلاماً للمعقود علیہ، وھو منافع الأرض أو منافع العامل۔ (ھدایۃ:۷-۱۰۲)

صاحبِ بذر کی تعیین کس طرح ہوسکتی ہے؟

صاحبِ بذر کی تعیین اولاً دو طرح ہوگی :

(۱) دانے کس کے ہوں گے اس بات کو صراحۃً بیان کر دیا جائے۔ مثلاً کہہ دیا جائے کہ دانے زمیندار کے ہوں گے یا کہہ دیا جائے کہ دانے کاشتکار کے ہوں گے۔

(۲) اگر یہ صراحۃً تو بیان نہ کی جائے مگر دلالۃً بیان ہوجائے۔ (یعنی دونوں میں سے کسی نے ایسی بات کہی ہو جس سے اس بات کی وضاحت ہوجاتی ہو کہ دانے کس کے ہوں گے؟)

البتہ جب 'صاحبِ بذر کون ہوگا' یہ نہ صراحۃً بیان کیا ہو اور نہ دلالۃً، تو اس صورت میں عرف کو دیکھا جائے گا کہ اس سلسلے میں عُرف کیا ہے؟

چنانچہ اگر کسی جگہ عرف ایسا ہے کہ وہاں زمیندار ہی 'صاحبِ بذر' ہوتا ہے تو اس وقت لازمی طور پر زمیندار صاحبِ بذر متعین ہوگا۔ اور اس کے ذمہ بیج لازم ہوں گے۔

اور اگر کسی جگہ کا عرف ایسا ہے کہ وہاں کاشتکار ہی 'صاحبِ بذر' ہوتا ہے تو اس وقت لازمی طور پر کاشتکار صاحبِ بذر متعین ہوگا اور اس کے ذمہ بیج لازم ہوں گے۔ ہاں! اگر اس سلسلے میں کوئی عرف نہ ہو تو اس (صراحۃً یا دلالۃً بیان نہ کرنے کی) صورت میں عقد فاسد ہوگا۔

(وذكر ربّ البذر) ولو دلالة بأن قال دفعتها إليك لتزرعها لي أو

أجـرتك إيـاها أو استأجرتك لتعمل فيها: فإن فيه بيان أن البذرمن قبل رب الأرض، ولـو قال: لتزرعها بنفسك ففيه بيان أن البذر من العامل، وإن لـم يـكـن شيـئ مـن ذلك قـال أبوبكر البلخى: يحكم العرف فى ذلك إن اتـحـد وإلا فسـدت، لأن البـذر إذا كـان من رب الأرض فهو مستـأجـر لـلـعامل أو من العامل فهو مستأجر للأرض وعند اختلاف الحكم لابد من البيان كما فى الواقعات. قهستانى. (شامى:۳۹۹/۹)

یہ احکام ان صورتوں کے ہیں، جن میں دانے کسی ایک طرف سے ہوں، دانے دونوں کی طرف سے ہوں اور کس مقدار میں ہوں، اس کا تفصیلی حکم، مختلف صورتوں کے ساتھ آگے آرہا ہے، عامۃ کتب فقہ میں اجمالاً فساد کا حکم مذکور ہوتا ہے، البتہ اس میں بہت تفصیل ہے، اور اس کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

شرط ثانی (۲): اور دوسری شرط یہ ہے کہ دانے معلوم ہو۔ یعنی زمین میں کیا بویا جائے گا؟ مثلاً گیہوں، دھان، جَو وغیرہ بھی متعین کردیا جائے تا کہ اجرت متعین کرنے میں آسانی ہو۔

لہٰذا بیج کی جنس، نوع اور صفت بیان کردی جائے یا پھر زمیندار کی طرف سے کاشتکار کی مشیت پر چھوڑ دیا گیا ہو کہ کاشتکار جو چاہے بوئے۔

(كما فى المادة: ١٤٣٤؛ يشترط تعيين الزرع أى ما سيزرع أو تعميمه على أن يزرع الزارع ما يشاء)

کیوں کہ عقدِ مزارعت میں اجرت 'بعض پیداوار' ہوتی ہے اور اجرت کی جنس متعین ہونا شرط ہے، نیز بعض بوئی جانے والی چیزیں کسی زمین کے لیے

نقصان دہ ہوتی ہے اس لیے دانے کی جنس طے کرنا ضروری ہے تا کہ پھر یہ (عدمِ تعیین) جھگڑے کا سبب نہ بنے۔(وذکر جنسه) لأن الأجر بعض الخارج واعلام جنس الأجر شرط، ولأن بعضها أضر بالأرض، (شامی: ۳۹۹/۹)

چنانچہ اگر دانے متعین نہیں کیے تو یہ عقد فاسد ہوگا۔

مسئلہ: جب دانے کاشتکار پر شرط ہوں؛ مگر اس کی جنس متعین نہ کی ہو اور کاشتکار کی مشیت پر بھی نہ چھوڑا ہو (یعنی تعمیم نہ کی ہو) مگر پھر بھی زمین کو جوتا گیا اور پیداوار بھی ہوگئی تو (مذکورہ فاسد عقد) یہ مان کر کہ اب دانے کی تعیین ہوگئی عقدِ صحیح شمار ہوگا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خود زمیندار نے اپنی زمین کاشتکار کو سپرد کر کے، زمین کے نقصان کو برداشت کرلیا اور جب یہ (نقصان دہ ہونے کا) مفسدہ ختم ہو گیا تو اب فساد، صحت سے بدل جائے گا۔جیسا کہ کاشتکار کی مشیت پر چھوڑنے کی صورت میں عقد صحیح ہوتا ہے یہ مان کر کہ زمیندار زمین کے نقصان کو برداشت کرنے پر راضی ہے۔ وإن لم يفوّض الأمر إليه على وجه العموم وكان البذر من قبل العامل ولم يبينا جنس البذر فسدت المزارعة فإذا زرعها شيئاً تنقلب جائزةً لانه خلىّٰ بينه وبين الأرض وتركها فى يده حتّٰى القى البذر فقد تحمّل الضرر فيزول المفسد.(فتاوی عالمگیری: ۲۳۵/۵)

دانے کی جنس متعین کرنے، نہ کرنے کی مختلف صورتیں ہیں:

جنسِ بذر متعین کرنے کی دو صورتیں ہیں: (ا) قطعی طور پر بیان کردے؛

مثلاً: گیہوں ہی بوئے جائے۔(۲) تردّد کے ساتھ بیان کیا جائے،مثلاً: زمیندار کاشتکار سے کہے کہ اگر گیہوں بوئے تو تیرا پیداوار میں اتنا حصہ ہوگا اور اگر جَو بوئے تو اتنا حصہ ہوگا۔ان دونوں صورتوں میں مزارعت درست ہوگی۔

اورجنسِ بذر متعین نہ کرنے کی بھی دوصورتیں ہیں:(۱) مطلقاً کچھ بیان نہ کیا جائے۔(۲) بیان کرے؛لیکن مجہول بیان کرے،جیسے کہے کہ بعض حصہ میں گیہوں اور بعض حصہ میں جَو بوئے جائے،اور زمین کی مقدار بیان نہ کرے۔ان دونوں صورتوں میں عقدِ مزارعت فاسد ہوگا۔

یاد رہے کہ دانوں کی مقدار بیان کرنا شرط نہیں ہے،کیوں کہ دانوں کی مقدار،زمین کی مقدار بیان کردینے سے خود ہی معلوم ہوجاتی ہے۔مثلاً زمین چار بیگھہ ہے تو ہر ایک بیگھہ میں جو معمول کی مقدار ہوگی خود متعین سمجھی جائے گی۔جیسے ایک بیگھہ میں ایک من گیہوں کا معمول ہو تو چار بیگھہ میں دانوں کی مقدار خود ہی چار من گیہوں معلوم ہوجائے گی۔

فتاوی خانیہ میں ہے کہ کاشتکار کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ زمین کی جانچ کرلے(تا کہ اس کا عمل معلوم ہوجائے) کیوں کہ زمینوں میں تفاوت ہونے کی وجہ سے اگر اس نے زمین کو نہیں جانا تو اس کا عمل مجہول ہوجائے گا۔وفی الدر: وذکر جنسه لا قدره لعلمه بإعلام الارض. وفی الشامية: لكن فی الخانية أيضاً وينبغی أن يكون العامل يعرف الأرض لأنه إذا لم يعلم والأراضی متفاوتةٌ لايصير العمل معلوماً. (شامی: ۳۹۹/۹)

دانے کی تعیین کے سلسلے میں یاد رہے کہ

(۱) یہاں، ان دانوں کا ذکر کیا جائے، جس کا تعلق مزارعت سے ہو، عقد مزارعت میں غرس یعنی درخت کے بیج کا ذکر، صحت مزارعت کے لیے کافی نہ ہوگا۔ لأن الداخل تحت العقد الزرع دون الغرس. (بدائع: ۲۵۷/۵)

(۲) دانے کے متعلق اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ وہ عمل کے قابل ہو یعنی دانے پر عمل کرنے سے اس میں زیادتی ہو سکے۔

مسئلہ: اگر کسی نے زمین مزارعت کے لیے اس حال میں دی کہ اس میں کھیتی ہو چکی تھی (یعنی دانے زمین ڈال دیے گئے تھے) تو اب مزارعت درست نہ ہوگی۔ أن يكون قابلاً لعمل الزراعة وهو أن يؤثر فيه العمل بالزيادة بمجرى العادة. (بدائع: ٢٥٧/٥)

اس کے درست نہ ہونے کی ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں زمین کا تخلیہ نہیں پایا جاتا جو کہ مزارعت کے شرائط میں سے ہے۔ (کماسیأتی)

(۳) زمین (مزروع فیہ) سے متعلق تین شرطیں ہیں۔

(۱) زمین (محل مزارعت، مزروع فیہ) معلوم ہو۔ یعنی اس کی ایسی تعیین ہو جائے کہ کسی قسم کی جہالت باقی نہ رہے؛ کیوں کہ مجہول ہونے کی وجہ سے عقدِ مزارعت فاسد ہوگا۔ أن تكون معلومة، فإن كانت مجهولةً لا تصح المزارعة. لأنها تؤدى إلى المنازعة (بدائع: ٢٥٩/٥)

یہ تعیین چاہے پیمائش کے ذریعہ ہو، جیسے: بڑی زمین کے ایک حصہ کو پیمائش سے متعین کر دیا جائے۔ یا کسی زمین کی حدود متعین ہو تو اس کو اشارہ سے متعین کر دیا

جائے۔

پس اگر مزروع فیہ زمین مجہول رہے تو مزارعت فاسد ہوگی۔ مثلاً: (۱) بڑی زمین کے کچھ حصہ پر بلا تعیین مزارعت کا عقد کیا جائے جس میں مزروع فیہ زمین کی مقدار مجہول رہے۔ (۲) اسی طرح کسی آدمی کے چند کھیت ہیں اس میں سے کسی ایک میں بلا تعیین مزارعت کا عقد کیا جائے۔ (۳) زمین کے کچھ حصہ میں گیہوں اور کچھ حصہ میں جَو کی کاشت کا عقد کیا جائے۔ غرض مزروع فیہ زمین کی جہالت کی صورت میں عقد فاسد ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر زمین اس شرط پر دی کہ جس حصہ میں گیہوں بووے اس میں تیرا اتنا حصہ ہوگا اور جس حصہ میں جَو بووے اس میں تیرا اتنا حصہ ہوگا تو عقد فاسد ہو جائے گا، کیوں کہ یہاں مزروع فیہ زمین مجہول ہے۔ اسی طرح یوں شرط کی کہ بعض حصہ میں گیہوں اور بعض میں جَو بووے، تو بھی عقد فاسد ہوگا، کیوں کہ تصریح کے ساتھ بعض بعض کرنا یہ قطعی طور پر جہالت ہے۔

البتہ اگر یوں کہے کہ اس زمین میں اتنے گیہوں بووے تو تیرا اتنا حصہ ہوگا اور اتنے جَو بووے تو اتنا حصہ ہوگا تو عقد درست ہوگا؛ کیوں کہ یہاں اس نے پوری زمین گیہوں بونے کے لیے دی ہے یا جَو بونے کے لیے دی ہے۔

علی ہذا القیاس اگر زمین کا حصے متعین کر کے، ہر حصے میں جنس غلہ متعین کر دے اور مقدار شرکت بھی اجمالا یا تفصیلاً بیان کریں، (ہر دو حصوں میں نصف، یا گیہوں میں أنصافاً اور جو میں اثلاثاً وغیرہ) تو درست ہونا چاہیے۔ از راقم۔

ولو دفع الأرض مزارعةً علی أن مایزرع فیها حنطة فکذا، وما

يـزرع فيهـا شـعيـراً فكذا يفسد العقد لأن المزروع فيه مجهول و كذا لـوقال: على أن يزرع بعضها حنطة و بعضها شعيراً لأن التنصيص على التبـعيـض تـنـصيـصٌ عـلـى التجهيل. ولو قال على أن ما زرعتَ فيها حنطة فكذا وما زرعتَ فيها شعيراً فكذا جاز لأنه جعل الأرض كلها ظـرفـاً لـزرع الـحنطة أو لزرع الشعير فانعدم التجهيل.(عـالمگيری : ۵-۲۳۶)

مسئلہ: تعمیم کی صورت میں کاشت کار کچھ حصے میں گیہوں اور کچھ میں جو کی کاشت کرے گا تو درست ہوگا۔

ولـو زرع بـعـضهاحنطة و بعضها شعيراً جاز، لأنه لو زرع الكل حـنـطة أو الـكـل شـعيرا لجاز فإذا زرع البعض حنطة و البعض شعيراً أولى (بدائع :۵-۲۶۰)

(۲) زمین مدتِ مزارعت میں کھیتی کے قابل ہو یعنی شورزمین نہ ہو، نیز مرطوب (رسائی والی) زمین نہ ہو۔ البتہ اگر مدتِ مزارعت میں زمین قابلِ زراعت ہومگر کسی وقتی عارض (جیسے: پانی بند ہوجانا یا اُولے گرنا، باڑھ کا زمانہ ہونا، وغیرہ قریب الختم عوارض) کی وجہ سے کھیتی ممکن نہ ہو تو اس وقت عقد صحیح ہو جائے گا۔

أن تـكـون الأرض صالحة....فأما إذا كانت صالحة للزراعة فى الـمـدة لكن لا تمكن زراعتها وقت العقد لعارض من انقطاع الماء و زمـان الشتـاء ونـحـوه مـن الـعـوارض التى هى على شرف الزوال فى

المدة تجوز المزارعة كما تجوز إجارتها. (بدائع: ۲۵۹/۵)

(۳) زمین کا شتکار کو خالی کر کے سپرد کر دینا۔ جسے تخلیہ کہا جاتا ہے۔

تخلیہ کا معنی

تخلیہ کے معنی یہ ہے کہ مالکِ زمین یوں کہے کہ یہ زمین میں نے تیرے سپرد کی اور تخلیہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ زمین عقد کے وقت فارغ ہو، اس میں کسی قسم کی کھیتی وغیرہ نہ ہو۔ لہٰذا اگر عقد کے وقت زمین میں کھیتی ہے جو پکی نہیں، تو یہ عقد مزارعت درست نہیں ہے؛ البتہ اسے مساقاۃ و معاملہ کے اعتبار سے صحیح کہا جائے گا اور اگر کھیتی اُگنے کے ساتھ ساتھ پک بھی گئی ہو تو اب یہ عقد نہ مزارعۃً صحیح ہے اور نہ مساقاۃ و معاملہ کے طور پر صحیح ہے؛ کیوں کہ اب عمل کی ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے مساقاۃً جائز قرار دینے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ومِن التخلية أن تكون الأرض فارغةً عند العقد فإن كان فيها زرع قد نبت يجوز العقد ويكون معاملةً لامزارعةً، وإن كان أدرك لايجوز العقد لأن الزرع بعد الإدراك لايحتاج إلى العمل فيتعذر تجويزها معاملةً أيضاً؛ خانية (شامى: ۴۰۰/۹)

تخلیہ کے صحیح ہونے کے لیے 'عند العقد' زمین کے فارغ ہونے کی شرط کو بھی سابقہ شرط، یعنی 'قابل زراعت' ہونے کی شرط کے تناظر میں دیکھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ مدت مزارعت میں فارغ ہونی چاہیے، بالفاظ دیگر کاشتکار کے عمل شروع کرنے کے زمانے میں زمین فارغ ہو اور تخلیہ کے قابل ہو۔ پس اگر عقد مزارعت کچھ مدت پیشتر کرلیا، اور اس وقت زمین فارغ نہیں تو یہ مضر صحت نہیں ہونا

چاہیے۔از راقم۔

رب الأرض کا عمل، مشروط وغیر مشروط؟

تخلیہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ زمیندار اپنے عمل کی شرط نہ لگائے۔ چنانچہ اگر زمین دار نے اپنے عمل کرنے کی شرط لگائی تو عقدِ مزارعت فاسد ہو جائے گا۔کیوں کہ عامل کا اپنے عمل کی شرط لگانا مانعِ تخلیہ ہے۔

(ویشرط التخلیة الخ) وھی أن یقول صاحب الأرض للعامل سلمتُ إلیك الأرض، فکُل ما یمنع التخلیة کاشتراط عمل صاحب الأرض مع العامل یمنع الجواز.(شامی: ۹/ ۴۰۰)

البتہ زمیندار احسان وتبرع کے طور پر کاشتکار کے ساتھ عمل کرے تو اس کے لیے اس کی اجازت ہے۔

فتاوی محمودیہ میں ہے: زید جو زمین بیل، بیج کا مالک ہے، اپنی محنت اور کام کو شرط کے درجہ میں قرار نہ دے، بلکہ یا تو کل کام اجیر کے ذمہ کردے پھر چاہے اس کی اعانت کر کے خود ہی کام کر دیا کرے اور نگرانی وغیرہ کرتا رہے، مگر اپنے ذمہ کام نہ لے، یا اپنے کام سے سکوت اختیار کرے۔اگر اپنے ذمہ بھی کام کو شرط کر لے گا، تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ (۱۶۵/۱۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر زمیندار کسی واقعی ضرورت کی وجہ سے عمل مزارعت میں شریک رہنا چاہتا ہے تو بوقت عقد اس سلسلے میں سکوت اختیار کر کے، بلا شرط بطور معاون شریک زراعت رہ سکتا ہے۔

شرائط کی تفصیلات سے پہلے یہ جان لینا مناسب ہوگا کہ

مزروع فیہ زمین عاقد (رب الارض) کی مملوکہ ہونا ضروری نہیں، محض منفعت زمین کی ملکیت کافی ہے۔

چنانچہ اگر کسی نے دوسرے کی زمین اپنے معین مال کے عوض مدتِ معینہ کے لیے کرایے پر لی تو اس کرایے پر لینے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ مستاجرہ زمین کسی کو مزارعت کے لیے دے۔دفع الأرض المستاجرة من الآجر مزارعة جاز. (الدر مع الشامی:۹/ ۴۱۰)

اسی طرح وقف شدہ زمین کو بھی مزارعت پر دینا جائز ہے۔(بخاری کتاب الوقف)

مسئلہ:بعض جگہ رسم ہے کہ کاشتکار زمین میں تخم پاشی کر کے لوگوں کے سپرد کردیتا ہے اور یہ شرط ٹھہرتی ہے کہ تم اس میں محنت وخدمت کرو جو کچھ حاصل ہوگا ایک تہائی مثلاً محنتیوں کا ہوگا سو یہ بھی مزارعت ہے، جس جگہ زمیندارِ اصلی اس معاملہ کو نہ روکتا ہو وہاں جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔(صفائی معاملات:۳۶)

(۴) پیداوار سے متعلق پانچ شرطیں ہیں۔

(۱)جس کے دانے نہ ہو اس کے لیے پیداوار کا حصہ طے کردیا جائے کیوں کہ پیداوار میں صاحب بذر کا حق اپنی مملوک (بذر) کے نماء کے طور لازم ہے، دوسرے کا حق بطور اجرت ہے، اور اس کو متعین نہ کرنے کی صورت میں عقد فاسد ہوجاتا ہے۔

لہٰذا اگر عقد کے وقت اسے بیان نہ کیا گیا اور اسے بیان کرنے سے خاموشی برتی گئی تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ البتہ اگر بیج والے نے اپنا حصہ طے کر دیا جس سے دوسرے کا حصہ بھی دلالۃً متعین ہو جاتا ہے تو یہ عقد استحساناً صحیح کہا جائے گا۔ الغرض جس کے دانے نہ ہو اس کا پیداوار کا حصہ صراحۃً یا دلالۃً متعین کر دیا جائے، تاکہ مزارعت میں اجرت 'بعض پیداوار' متعین ہو جائے۔

وفی الخانية :الشرط الرابع بيان نصيب من لابذر منه، لأن ما يأخذه إما أجرٌ لعمله أو لأرضه فيشترط إعلام الأجر، وإن بيّنا نصيب العامل وسكتا عن نصيب ربّ البذر جاز العقد، لأن ربّ البذر يستحق الخارج بحكم أنه نماءُ ملكه لا بطريق الأجر وبالعكس لايجوز قياساً لأن مايأخذه أجرٌ فيشترط إعلامه وفی الاستحسان: يجوزالعقد، لأنه لما بين نصيب ربّ البذر كان ذلك بيان أن الباقی للأجيرـاه.وحاصله: أنه يشترط بيان نصيب من لابذرمنه صريحاً أو ضمناً.تأمل .(شامی : ۹ - ۳۹۹)

(۲) پیداوار دونوں میں مشترک ہو، چنانچہ اگر عاقدین نے یہ شرط لگائی کہ پوری پیداوار کسی ایک کی ہوگی تو عقدِ مزارعت فاسد ہو جائے گا؛ کیوں کہ اس صورت میں شرکت (جو کہ انتہاء کے اعتبار سے مزارعت کی حقیقت ہے) ختم ہو جاتی ہے اور ہر وہ شرط جو قاطعِ شرکت ہو وہ مزارعت کو فاسد کر دے گی۔

(بدائع:۲۵۸/۵)

(۳) عاقدین میں سے ہر ایک کا حصہ اسی زمین کی پیداوار میں سے بعض

پیداوار ہو۔ اگر یہ شرط کی کہ ان کا حصہ کوئی دوسری چیز ہوگی یا دوسرے کسی کھیت کی پیداوار سے حصہ ہوگا تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ کیوں کہ مزارعت 'بعض پیداوار کے عوض اجرت پر دینے' ہی کو کہا جاتا ہے کہ اس کے بغیر مزارعت، مزارعت سے نکل کر اجارۂ محض بن جاتا ہے۔ (بدائع:۲۵۸/۵)

(۴) ہر ایک کے حصہ کی مقدار (نصف، ثلث وغیرہ) معلوم ہو؛ تا کہ جہالتِ مقدار کے سبب بعد میں کوئی جھگڑا کھڑا نہ ہو۔ (ایضاً)

(۵) اور عاقدین کے حصے کی جو مقدار بیان کی ہے وہ جزوِ شائع (نصف، ثلث وغیرہ) ہو یعنی تناسب کے اعتبار سے بیان کیا گیا ہو، کوئی مخصوص جگہ یا مخصوص وزن یا مخصوص ناپ وغیرہ بیان نہ کیا ہو؛ کیوں کہ اس سے بھی شرکت منقطع ہو جاتی ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ: اگر عاقدین میں سے کسی نے یہ شرط کی کہ اس کے لیے مخصوص قفیز (اتنے مَن یا اتنی بوری پیداوار) ہوگی یا یہ شرط لگائی کہ مخصوص جگہ (مثلاً: کنارے کی یا نالیوں کے اوپر کی یا درمیانِ کھیت وغیرہ) کی پیداوار میری ہوگی تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ (شامی:۴۰۰/۹)

مسئلہ: اگر صاحبِ بذر نے یہ شرط لگائی کہ پیداوار میں سے میرے بیج نکالنے کے بعد باقی پیداوار میں شرکت ہوگی، یا خراج موظف یعنی جزیہ نکالنے کے بعد باقی میں شرکت ہوگی تو ایسی صورت میں عقد فاسد ہو جائے گا۔ (شامی:۴۰۰/۹)

ظاہر ہے ان صورتوں میں مقدارِ معین کے بقدر پیداوار ہو یا نہ ہو اور مقدارِ معین کی ادائیگی کے بعد دوسرے فریق کے لیے کچھ باقی رہے یا نہ رہے، یہ سب

موہوم ہے، اگر بالفرض اتنا ہی غلہ پیدا ہوا جتنا کہ ایک فریق نے اپنے لیے مقرر کیا تھا، یا متعینہ جگہ پر ہی پیداوار ہوئی جس کو اس نے اپنے لیے متعین کیا تھا تو ظاہر کہ یہ فریق تو مکمل فائدہ میں رہے گا؛ لیکن دوسرا فریق گھاٹے میں رہے گا۔ اور اگر اس کے برعکس ہو گیا تو دوسرا فریق فائدہ میں رہے گا اور پہلا فریق گھاٹے میں رہے گا، ایسے ہی احتمالات کی وجہ سے آخر نوبت جھگڑے کی آئے گی۔

احادیث میں مزارعت ومخابرہ کے متعلق جو ممانعت آئی ہے، وہ علماء کی رائے کے مطابق دراصل اسی صورت سے متعلق ہے۔

قد روی أنهم كانوا يشترطون فی عقد المزارعة لأحدهما ما على الماذيانات وا لسواقی فلما بعث النبي المكرم عليه أفضل التحية أبطله. (بدائع:۲۵۸/۵)

اگر عاقدین نے عقد کے وقت یہ شرط کی کہ عشر نکال لینے کے بعد یا خراجِ مقاسمہ نکال لینے کے بعد باقی میں شرکت ہوگی، تو اس طرح شرط کرنے سے عقد فاسد نہ ہوگا کیوں کہ اس شرط سے پیداوار میں شرکت منقطع نہ ہوگی۔ (شامی:۴۰۰/۹)

الغرض عقد میں کوئی ایسی شرط ٹھہرائی ہو جس سے پیداوار میں شرکت منقطع ہو جاتی ہو تو اس کی وجہ سے عقدِ مزارعت فاسد ہو جائے گا۔

مسئلہ: بعض زمینداروں کی عادت ہے کہ علاوہ اپنے حصۂ بٹائی کے، کاشتکار کے حصہ میں سے کچھ اور حقوق ملازموں اور کمینوں (مساکین) کے بھی نکالتے ہیں سو اگر بالقطع (یقینی طور پر) ٹھہرالیا کہ ہم دو مَن یا چار مَن ان حقوق کا لیں گے یہ تو ناجائز ہے اور اگر اس طرح ٹھہرایا کہ ایک مَن میں ایک سیر مثلاً تو یہ درست

ہے۔بعض لوگ اس کا تصفیہ نہیں کرتے کہ کیا بویا جاوے گا پھر بعد میں تکرار قضیہ ہوتا ہے، یہ جائز نہیں۔یا تو اس تخم کا نام تصریحاً لے لے یا عام اجازت دیدے کہ جو چاہے بونا۔(صفائی معاملات:۳۵)

بھوسہ کا حقدار کون ہوگا؟

اس سلسلے میں کل آٹھ صورتیں ہے،جس میں سے چھ صورتوں میں عقد فاسد ہوگا اور دو میں عقد صحیح ہوگا۔

ا۔اگر عاقدین نے یہ شرط مقرر کی کہ بھوسہ کاشتکار کا ہوگا اور دانے زمیندار کے ہوگے۔

۲۔یا بھوسہ زمیندار کا ہوگا اور دانے کاشتکار کے ہوں گے۔

تو ان دونوں صورتوں میں اصل مقصود (بیج) میں شرکت منقطع ہوجانے کی وجہ سے عقد فاسد ہوگا۔

(او)شرط (التبن لاحدهما والحب للآخر)ای تبطل لقطع الشركةفيما هو المقصود. (الدر مع الشامی:۹/۴۰۰)

۳۔یا اگرانھوں نے شرط لگائی کہ دانے مشترک ہوگے اور بھوسہ صاحب بذر کے علاوہ (یعنی غیر رب البذر) کا ہوگا تو یہ عقد فاسد ہوگا۔

کیوں کہ غیر رب البذر کے لیے بھوسہ کی شرط لگانا عقد کے تقاضہ کے خلاف ہے، نیز اس سے شرکت ختم ہوجاتی ہے،اس لیے کہ بسا اوقات کسی آفت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ پیداوار میں صرف بھوسہ ہی ہوتا ہے تو ایسے وقت میں ایک فریق فائدہ میں رہے گا اور دوسرا گھاٹے میں رہے گا۔

(أو)شرط (تنصيف الحب و التبن لغير رب البذر) لأنه خلاف مقتضى العقد. وفى الشامية : ولأنه يؤدى إلى قطع الشركة إذ ربما يصيب آفة فلا يخرج إلا التبن.معراج. (الدر مع الشامى:۹/ ۴۰۱)

وفى البدائع:ومنها(اى الشرائط المفسدة): شرط التبن لمن لا يكون البذر من قبله.(۵/ ۲۶۲)

۴۔اوراگر یہ شرط کی کہ بھوسہ دونوں کے درمیان مشترک ہوگا اور دانے کسی ایک کے ہوگے تو عقد فاسد ہوگا کیوں کہ اس صورت میں بھوسہ(جوکہ ایک تبعی شیٔ ہے)مقصود بن جاتا ہے اور دانوں (یعنی حقیقی مقصود)میں شرکت ختم ہو جاتی ہے۔

أو شرط (تنصيف التبن والحب لأحدهما) لقطع الشركة فى المقصود.(الدر مع الشامى: ۹/ ۴۰۱)

۵۔اگر بطورِ شرط یہ طے کیا کہ دانوں میں شرکت ہوگی اور بھوسہ صاحبِ بذر کا ہوگا تو یہ عقد صحیح ہوگا؛ کیوں کہ یہ بھوسہ اسی کے دانوں کی پیداوار ہے۔اور عقد کا تقاضہ بھی یہی ہے بلکہ جب بھوسہ کے متعلق کوئی بات نہ ہوئی ہو اس وقت م بیج والے کا ہی بھوسہ ہوتا ہے(جیسا کہ اس کے بعد والی صورت میں صدر الشریعۃ اور صاحبِ ہدایہ وغیرہ کا قول ہے)۔تو یہاں بدرجۂ اولی ہونا چاہئے۔

وفى الدر:(وإن شرط تنصيف الحب والتبن لصاحب البذر) كما هو مقتضى العقد. وفى الشامية : لأنه لو سكتا عنه كان له فمع الشرط أولى، لأنه شرط موجب العقد وبه لا تتغير صفة العقد.معراج.

(شامی :۹/ ۴۰۱)

۶۔اسی طرح دانوں میں شرکت ہواور بھوسہ کے متعلق کوئی بات نہ ہوئی ہوتو اس وقت بھی عقد صحیح ہو جائے گا۔البتہ اس صورت میں بھوسا کس کا ہوگا اس سلسلے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔

(۱)صاحبِ بذر کا بھوسہ ہوگا، یہی ظاہر الروایۃ ہے، کیوں کہ بھوسہ میں استحقاق شرط کی وجہ سے نہیں ہوتا،شرط کی وجہ سے استحقاق محض اجرت میں ہوتا ہے اوروہ دانوں میں ہو گیا کہ دانے دونوں میں مشترک ہی ہے۔

وفی الدر: (أو لم يتعرض للتبن صحت) وحينئذ التبن لرب البذر و قيل بينهما تبعاً للحب كذا قاله المصنف تبعاً للصدر وغيره لكن اعتمد صاحب الملتقى الثانى حيث قدّمه فقال : التبن بينهما وقيل لرب البذر. وفى الشامية : (تبعاً للصدر) أى صدر الشريعة وغيره كصاحب الهداية، فإنه قال : ثم التبن يكون لصاحب البذر لأنه نماء بذره و فى حقه لايحتاج إلى الشرط. (شامى: ۹/ ۴۰۱)

(۲)دوسرا قول مشائخِ بلخ کا ہے کہ دانوں کے ساتھ ساتھ بھوسا بھی دونوں میں مشترک ہوگا؛ کیوں کہ جس کے متعلق کوئی بات (صراحت)نہ ہوئی ہواس میں عرف کا اعتبار ہوگا اوراس میں عرف یہی ہے کہ دانوں اور بھوسہ دونوں میں ہی شراکت ہو،اس لیے کہ بھوسہ تابع ہونے کے اعتبار سے مقصود(دانوں)ہی کے معنی میں ہے اور مقصود میں شرط لگانا یہ تابع میں بھی شرط لگانا ہی ہے، جب کہ کوئی صراحت نہ ہوئی ہو۔

وقال مشائخ بلخ: التبن بينهما أيضاً اعتباراً للعرف فيما لم ينص عليه المتعاقدان، ولأنه تبع للحب والتبع يقول بشرط الاصل. (شامی:۹/ ٤٠١)

إذا شرط الاشتراك فی الحب على الوجه المشروع ولم يتعرض للتبن فتصح المزارعة ويكون التبن مشتركاً بينهما اعتباراً للعرف. (مجمع الانهر:٤/ ١٤٢)

(۳) صاحبِ مجمع الانہرؒ شارحِ وقایہ علامہ ابن الشیخؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ بھوسا بیل کی غذا ہونے کی وجہ سے ان کے علاقے میں صاحبِ بقر کو ملتا ہے۔ گویا یہ دوسرا عرف ہوا۔ قال ابن الشيخ فی شرح الوقاية : وفی ديارنا لصاحب البقر لكونه علفاًله. (مجمع الانهر: ٤/ ١٤٢)

الغرض جب بوقتِ عقد بھوسہ کے متعلق کوئی تصریح نہ ہو تو عرف کو دیکھا جائے گا، اگر عرف ایسا ہے کہ کاشتکار کو بھوسہ میں سے حصہ ملتا ہے تو وہ اپنے حصہ کے بقدر بھوسہ میں حقدار ہوگا اور اگر عرف ایسا ہے کہ کاشتکار کو بھوسہ میں سے حصہ نہیں ملتا تو وہ بھوسہ میں حقدار نہ ہوگا۔ (مستفاد از؛ محمود الفتاوی:۲/ ۴۴۴)

(۴) صاحبِ بدائعؒ تحریر فرماتے ہیں کہ مذکورہ (بھوسہ کے متعلق کوئی تصریح نہ ہونے کے) صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عقد فاسد ہو جائے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک فاسد نہ ہوگا اور بھوسہ صاحبِ بذر کا ہوگا؛ لیکن امام طحاویؒ سے منقول ہے کہ امام محمدؒ نے امام ابو یوسفؒ کے قول کی طرف رجوع کر لیا ہے۔

امام محمدؒ کے قولِ جواز کی وجہ یہ ہے کہ صاحبِ بذر پیداوار میں اپنے بیج کی

وجہ سے استحقاق رکھتا ہے نہ کہ شرط کی وجہ سے، اس لیے بھوسہ کے متعلق صراحت کرنا اور سکوت اختیار کرنا دونوں برابر ہی ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عقدِ مزارعت میں دانے اور بھوسہ دونوں ہی مقصود ہوتے ہیں اور بھوسہ کے متعلق سکوت ایسا ہی ہے جیسے دانوں کے متعلق سکوت ہو، لہٰذا جس طرح دانوں کے متعلق جب سکوت ہو تو یہ بالاتفاق مفسدِ عقد ہے اسی طرح بھوسہ کے متعلق سکوت سے بھی عقد فاسد ہوگا۔
(بدائع: ۲۶۳/۵)

امام ابو یوسفؒ کی اس دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ صرف بھوسہ پیدا ہونے کی صورت میں غیر رب البذر کا بھی بھوسہ میں استحقاق ہونا چاہئے؛ کیوں کہ اس کو مستحق قرار نہ دینے میں یہ لازم آئے گا کہ عاقدین میں سے ایک فریق شرط کی وجہ سے مستحق ہو اور دوسرا شرط نہ ہونے کی وجہ سے مستحق نہ ہو کر محروم ہو جائے۔ حالاں کہ امام ابو یوسفؒ بھوسہ کو بھی مقصود مانتے ہیں، لہٰذا اس میں بھی شرکت ہوگی۔ (کمافی البدائع)

اور ضروت کا تقاضہ یہی ہے کہ اسے مقصود مانا جائے۔ از راقم.

۷۔ اور اگر انہوں نے یہ شرط کی ہو کہ (پیدا شدہ) بیج اور بھوسہ دونوں مشترک رہیں گے تو عقد صحیح ہوگا اور بیج اور بھوسا دونوں میں شرط کے مطابق دونوں کی شرکت رہے گی۔

فإن شرطا أن يكون بينهما لاشك أنه يجوز لانه شرط مقرر مقتضى العقد . (بدائع: ٥/ ٢٦٣)

۸۔اور بھوسہ میں شرکت بیان کی اور دانوں کے متعلق کوئی بات نہیں کی تو اس صورت میں بھی عقد فاسد ہوجائے گا۔

إإذا شرطا تنصيف التبن و سكتا عن الحب و هى غير جائزة.

(شامی: ۹/ ۴۰۰)

مسئلہ: بعض جگہ دستور ہے کہ بٹائی کی زمین میں جو غلہ پیدا ہوتا ہے اس کو حسبِ وعدہ باہم تقسیم کر لیتے ہیں اور جو اجناس چری وغیرہ پیدا ہوتی ہے اس کو تقسیم نہیں کرتے بلکہ بیگھوں کے حساب سے کاشتکار سے نقد لگان وصول کرتے ہیں سو ظاہراً تو بوجہِ اس کے کہ یہ شرط خلافِ مزارعۃ ہے ناجائز معلوم ہوتا ہے؛ مگر اس تاویل سے کہ اس قسم کے اجناس کو پہلے سے خارج از مزارعت کہا جاوے اور باعتبارِ عرف کے معاملہ ٔسابقہ میں یوں تفصیل کی جاوے کہ دونوں کی مراد یہ تھی کہ فلاں اجناس میں عقد مزارعت کرتے ہیں اور فلاں اجناس میں زمین بطورِ اجارہ دی جاتی ہے۔اس طرح جائز ہوسکتا ہے مگر اس میں جانبین کی رضامندی شرط ہے۔(صفائی معاملات: ۳۵)

مسئلہ: اگر کسی جگہ یہ دستور ہو کہ زمیندار اگر کسان کو نصف تخم دے تو نصف غلہ اور نصف بھونس (چارہ) لے،اگر زمیندار تخم نہ دے تو بھونس کا حصہ کسان نہیں دیتا تو ایسا کرنا جائز ہے۔(امداد الفتاوی: ۳/۵۲۴)

مسئلہ: اگر زمیندار اور کسان کے مابین باوجود تخم نہ دینے کی حالت میں بھونس کا کوئی حصہ مقرر کرلیا جائے جس پر کسان بھی رضامند ہوجائے تو زمیندار کے لیے بھونس کا حصہ لینا اس وقت جائز ہے جب کہ ثلث یا ربع وغیرہ مقرر کرلیا

جائے، اور اگر اس طرح مقرر ہو کہ اتنے من یا اتنے پیمانے۔ تو جائز نہیں۔ (أیضاً)

پیداوار سے متعلق کچھ مسائل

مسئلہ: اگر بیج زمیندار کے ہو اور اس نے کاشتکار کو بیج اور زمین سپرد کر کے کہا ہو کہ ساری پیداوار میری ہوگی تو یہ استعانت کے طور پر جائز ہے۔ یہ عقد مزارعت نہ بنے گا۔

مسئلہ: اور اگر ساری پیداوار کاشتکار کے لیے ہونے شرط کی تو یہ عقد بھی اعارہ کے طور پر درست ہوگا مزارعت کے طور پر نہیں۔

إذا كـان الخارج كلّه لرب الأرض أو العامل فإنه ليس بمزارعة، إذ الأول استعـانة مـن الـعـامـل و الثـانـي إعـارـة من المالك كما في الذخيرة. قهستاني (شامي: ۳۹۷/۹)

مسئلہ: اور اگر بیج کاشتکار کے ہوں اور ساری پیداوار زمیندار کے لیے شرط کی ہو تو عقد فاسد ہوگا کیوں کہ اس صورت میں کاشتکار 'زمین کا کرایہ دار' بنتا ہے اور 'ساری پیداوار' یہاں کرایہ بنتی ہے جو خلافِ شرع ہے کہ شریعت نے زمین کا کرایہ خلافِ قیاس 'بعض پیداوار' کو تو جائز قرار دیا ہے، خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے کل پیداوار کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا اس صورت میں ساری پیداوار مالکِ بیج (کاشتکار) کی ہوگی؛ البتہ کاشتکار زمیندار کے لیے زمین کی اجرتِ مثلیہ کا ضامن ہوگا۔ ہاں! اگر زمیندار نے عامل سے استعانت و قرض کے طور پر معاملہ کیا ہو تو ساری پیداوار زمیندار کے لیے جائز ہوگی۔

اور بیج کاشتکار کے ہونے کی صورت میں ساری پیداوار کاشتکار کے لیے شرط کی ہو تو عقد درست سمجھا جائے گا، زمیندار اپنی زمین عاریت پر دینے والا ہوگا۔(المحیط البرہانی:۱۸/۳٦۷)

(۵) محل عقد کے متعلق شرط

محلِ عقد کے متعلق شرط یہ ہے کہ وہ مقصود ہو، تاکہ ابتداء میں عقد بطورِ اجارہ صحیح ہو۔

عقدِ مزارعت میں معقود علیہ (محلِ عقد) کیا ہے؟

اس سلسلے میں ایک بنیادی بات یہ ہے کہ جس کے بیج ہوں گے وہ کرایہ دار ہوگا، اس لحاظ سے کبھی زمیندار مالکِ بیج ہونے کی وجہ سے کرایہ دار ہوتا ہے اور کبھی کاشتکار مالکِ بیج ہونے کی وجہ سے کرایہ دار ہوتا ہے۔

والأصل فيها: أن صاحب البذر هو المستاجر. (شامی:۹/۴۰۲)

نیز مزارعت میں معقود علیہ عرف وشرع ہر دو اعتبار سے (اعمالِ مزارعت میں سے) مقصود ہو اس طرح کہ یا مزدور کا عمل مقصود ہو یا زمین کی منفعت مقصود ہو۔

بیج زمیندار کے ہونے کی صورت میں 'کاشتکار کا عمل' مقصودِ عقد ہوگا کہ اس وقت زمیندار (یعنی مالکِ بیج) منفعتِ عامل کا کرایہ دار بنے گا، اور بیج کاشتکار کے ہونے کی صورت میں 'زمین کی منفعت' مقصودِ عقد ہوگی کہ اس وقت کاشتکار (یعنی مالکِ بیج) منفعتِ زمین کا کرایہ دار بنے گا؛ کیوں کہ منفعتِ عامل اور منفعتِ

زمین دونوں میں سے کسی ایک کا ہی اجارہ درست ہوگا۔ دونوں (منفعتِ عامل اور منفعتِ زمین) کو مجموعی طور پر ایک ہی کی جانب سے معقود علیہ بنانا عقد کو فاسد کردے گا۔

وأما الذی یرجع إلی ما عقد علیه المزارعة فهو أن یکون المعقود علیه فی باب المزارعة مقصوداً من حیث انها إجارة أحد أمرین: أما منفعة العامل بأن کان البذر من صاحب الأرض وأما منفعة الأرض بأن کان البذر من العامل لأن البذر إذا کان من قبل رب الأرض یصیر مستجراً للعامل وإذا کان من قبل العامل یصیر مستاجراً للأرض. وإذا اجتمعا فی الاستئجار فسدت المزارعة. (بدائع: ٢٦٠/٥)

اسی طرح اعمالِ مزارعت کے قبیل کا کوئی عمل مقصود نہ ہو بلکہ کوئی دوسرا عمل مقصودِ عقد قرار دیا جائے، مثلاً: زمین میں سے پتھر کٹوانا یا زمین کے راستے کو پتھروں سے پاٹنا وغیرہ مقصود ہو تو یہ معاملہ مزارعت نہ ہوگا۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۴۸۷/۵)

نیز عقدِ مزارعت میں آلۂ زراعت بیل، جوتنے کے جدید آلات وغیرہ معقود علیہ نہیں ہوتے وہ محض تابع ہوتے ہیں، چنانچہ کسی نے انہی کو اصل مقصود بنایا تو عقدِ مزارعت فاسد ہوگا۔

فأما منفعة البقر فإن حصلت تابعةً صحت المزارعة. وإن جعلت مقصودةً فسدت. (بدائع: ٢٦٠/٥)

البتہ آلۂ زراعت وغیرہ کو اجارۂ محض کے طور پر کرایہ پر لینا درست ہے۔

(٦) مدتِ مزارعت کے متعلق شرط

مدت مزارعت، ایک سال، دو سال وغیرہ؛ معلوم ہونا بھی صحتِ مزارعت کے لیے شرط ہے۔

مدت کا بیان کرنا اس لیے شرط ہے کہ مزارعت یا تو عامل کے منافع پر یا زمین کے منافع پر عقد ہے نیز مزارعت میں اجرت منافع کے عوض دی جاتی ہے اور منافع کا پتہ اور اس کا معیار مدت ہی سے ہوتا ہے۔

والثالث بيان المدة، لأنه عقد على منافع الأرض أو منافع العامل، والمدة هي المعيار لها لتُعلم بها. (هدايه : ٧-١٠٢)

اور وہ مدت ایسی ہو جو کاشتکاروں میں معروف ہو مثلاً ایک سال یا دو سال وغیرہ تاکہ کوئی جھگڑا نہ ہو؛ چنانچہ اگر ایسی مدت بیان کی جس میں پیداوار ممکن نہ ہو، اسی طرح ایسی مدت بیان کی کہ غالباً اس مدت میں عاقدین میں سے کسی کا زندہ رہنا ہی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں عقد فاسد ہو جائے گا۔

وفي الدر : (وذكر المدة) أي مدة متعارفة، فتفسد بما لا يتمكن فيها منها وبما لا يعيش إليها أحدهم غالباً وقيل في بلادنا تصح بلا بيان المدة، ويقع على أول زرع واحد وعليه الفتوى. مجتبى وبزازية.
(شامي:٩/٣٩٨)

دراصل تعیینِ مدت میں عرف کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے، اگر علاقہ ایسا ہے کہ وہاں مزارعت کی ابتداء و انتہاء کا وقت معلوم و معروف ہی ہے تو وہاں عرف کے

مطابق مدت متعین ہو جائے گی، ان جگہوں میں مدت متعین کرنا ضروری نہ ہوگا۔

اگر عرف ایسا ہے کہ وہاں مدتِ مزارعت کا وقت متفاوت ہے یعنی مزارعت کی ابتداء وانتہاء کا وقت معلوم ومعروف نہیں ہے تو وہاں تعیینِ مدت شرط ہوگی، تعیینِ مدت نہ ہونے کی صورت میں عقد فاسد ہو جائے گا۔

وفی الشامية: قوله:(مجتبى و بزازية) عبارة البزازية: وعن محمد جوازها بلا بيان المدة، وتقع على أول زرع يخرج زرعاً واحدا (ت.را.) و به أخذ الفقيه وعليه الفتوى، و إنما شرط محمد بيان المدة فى الكوفة ونحوها لأن وقتها متفاوت عندهم وابتداؤها و انتهاؤها مجهول عندهم اه. لكن قال فى الخانية بعد ذلك : والفتوى على جواب الكتاب: أى من أنه شرط . قال فى الشرنبلالية : فقد تعارض ما عليه الفتوى اهـ. (شامی:۳۹۸/۹)

بیوعات میں مثلاً بيع قفيز واحد من صبرة طعام ،اور إجارة كل شهر بدرهم میں حنفیہ کے یہاں استحسان یہ ہے کہ اقل متیقن متعین سمجھا جاتا ہے، اور اس قدر عقد درست ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مزارعت میں اسی قول (یعنی تعیین کے شرط نہ ہونے) کو ترجیح ہونی چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مزارعت کی صحت کے لیے مجموعی حیثیت سے آٹھ شرطیں ہیں:

(۱) زمین قابل کاشت ہو، کیوں کہ اس کے بغیر مزارعت کا مقصود حاصل نہ ہوگا۔ شور اور ریت والی زمین میں مزارعت صحیح نہیں ہے کیوں کہ اس سے مزارعت

کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ (۲) مالکِ زمین اور کاشتکار عامل میں عقد کی اہلیت ہو کیوں کہ تمام عقود اہلیتِ عاقد ہی سے صحیح ہو سکتے ہیں۔ (۳) مزارعت کی ایسی مدت بیان کردی جائے جو کاشتکاروں میں معروف ہوتا کہ منافع کی شکل میں دی جانے والی اجرت معلوم ہو جائے اور بعد میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہو۔ (۴) بیج کس کے ذمہ ہوں گے (صاحبِ تخم کون ہوگا؟) اس کی صراحت کردی جائے کیوں کہ اگر بیج مالکِ زمین کی طرف سے ہوتو عامل مزدور ٹھہرے گا اور اگر عامل کے بیج ہوتو زمین کرایہ پر ٹھہرے گی اور دونوں کے احکام مختلف ہیں اس لیے بیج کس کے ہوں گے اس کے بیان کیے بغیر معقود علیہ مجہول ہوگا۔ (۵) جس کی طرف سے بیج نہ ہو اس کا حصہ متعین کردیا جائے کیوں کہ عمل کی یا زمین کی اجرت مزارعت میں 'بعض پیداوار' ہوتی ہے جس کا متعین کرنا ضروری ہے۔ (۶) زمین کاشتکار کو خالی کر کے سپرد کردی جائے۔ اور مالکِ زمین کا اس میں کوئی دخل نہ رہے۔ یہاں تک کہ زمیندار نے اپنے عمل کو شرط ٹھہرایا تو عقد فاسد ہوگا۔ (۷) پیداوار کو مشاع طور پر عاقدین کے درمیان مشترک رکھا جائے۔ یعنی کوئی معین مقدار (پیمانہ یا مخصوص جگہ) کسی کے لیے شرط نہ کی جائے۔ (۸) زمین میں جو بویا جائے اس کی جنس (گیہوں، دھان، جَو وغیرہ) متعین کردی جائے تا کہ اجرت کی تعیین آسان ہو۔

ثم المزارعة لصحتها على قول من يجيزها شروط، أحدها: كون الأرض صالحةً للزراعة لأن المقصود لايحصل دونه، والثانی: أن يكون رب الأرض والمزارع من أهل العقد، وهو لايختص به، لأن

عقداً ما لا يصح إلّا من الأهل، والثالث: بيان المدة، لأنه عقد على منافع الأرض أو منافع العامل، والمدة هى المعيار لها لتُعلم بها، و الرابع : بيان من عليه البذر قطعاً للمنازعة وإعلاماً للمعقود عليه، وهو منافع الأرض أو منافع العامل، والخامس: بيان نصيب من لا بذر من قبله، لأنه يستحقه عوضاً بالشرط فلا بد أن يكون معلوماً، ومالا يعلم لا يستحقه شرطاً بالعقد، والسادس: أن يخلى رب الأرض بينها و بين العامل، حتى لو شرط عمل رب الأرض يفسد العقد لفوات التخلية، والسابع: الشركة فى الخارج بعد حصوله، لأنه ينعقد شركةً فى الانتهاء، فمايقطع هذه الشركة كان مفسداً للعقد، والثامن : بيان جنس البذر ليصيرالاجرمعلوماً. (هداية: ١٠٢/٧)

یادرہے کہ دانے کی جنس متعین کرنے کے متعلق استحسان یہ ہے کہ کیا بویا جائے گا یہ عرف میں عامل کی رائے پر سپرد کردیا جاتا ہے اس لیے جنسِ بذر بیان کرنا شرط نہ ہوگا؛ نیز مفتی بہ قول کے مطابق تعیینِ مدت بھی عرف پر مبنی ہونے کی وجہ سے شرط نہ ہوگا۔(از الفقہ الاسلامی وادلتہ:۴۸۶/۵تا۴۸۸)

ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند کے پانچویں فقہی اجتماع میں پاس ہونے والی تجاویز میں سے تجویز نمبر(۶) میں ہے کہ: زراعت کے لیے فقہاء نے آٹھ شرطیں ذکر کی ہیں؛ (۱) عاقدین کی اہلیت (۲) زمین کا قابل زراعت ہونا (۳) زمین پر کسان (مزارع) کو کھیتی کا اختیار دینا (۴) پیداوار میں دونوں کی شرکت (۵) تعینِ مدت۔(۶) بیج دینے والے کی تعیین (۷) بیج کی جنس کی تعیین

(۸) دونوں کے حصے کی تعیین۔

ان آٹھ شرطوں میں پہلی چار شرطیں بنیادی ہیں۔جن کے تحقق کے بغیر عقدِ مزارعت ناجائز ہے اور آخری چار شرطیں رفعِ نزاع کے لیے ہیں، اگر عرف و تعامل کی وجہ سے وہ نزاع کا سبب نہ بنیں تو عقدِ زراعت جائز رہے گا۔(فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے وتجاویز:۳۸،۳۹)

مسئلہ: اگر مدتِ معیّنہ مزارعت کی گذر جاوے اور کھیتی پکی نہ ہوتو کسان کو زمین کی اجرت اس جگہ کے دستور کے موافق دینی ہوگی ان زائد ایام کے عوض۔ (صفائی معاملات:۳۵)

مسئلہ: اجارہ یا مزارعت میں بارہ سال یا کم وبیش مدت تک زمین سے منتفع ہوکر موروثیت کا دعویٰ کرنا جیسا اِس وقت رواج ہے محض باطل اور حرام اور ظلم و غصب ہے۔ بدونِ طیبِ خاطر مالک کے ہرگز اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ اگر ایسا کیا تو اس کی پیداوار بھی خبیث ہے۔اور کھانا حرام ہے۔(صفائی معاملات:۳٦)

مزارعت کو فاسد کرنے والی شرطیں۔

جن شرطوں سے مزارعت فاسد ہوجاتی ہے وہ درجِ ذیل ہیں:

(۱) ساری پیداوار کسی کے لیے ہونے کی شرط لگانا۔لأنه شرط يقطع الشركةالتی هی من خصائص العقد. (بدائع : ٥-٢٦٢)

(۲) زمیندار پر عمل کی شرط لگانا یا عامل کے ساتھ زمیندار کے عمل کی بھی شرط لگانا۔ لأن ذلك يمنع التسليم وهو التخلية.(بدائع : ٥-٢٦٢) البتہ تبرع

کے طور پر زمیندار کے لیے عامل کی مدد کرنے کی گنجائش ہیں۔

(۳) زمیندار کے ذمہ بیل وغیرہ آلاتِ زراعت کی شرط لگانا۔

لأن فيه جعل منفعة البقر معقوداً عليها مقصودةً فی باب المزارعة ولا سبيل إليه. (بدائع : ٥-٢٦٢)

(۴) عمل و زمین ایک جانب سے ہونے کی شرط لگانا۔ یعنی زمیندار خود کاشتکار ہو بایں صورت کہ دوسرے کے بیج اور بیل ہو، اس لیے کہ بیج اور بیل مقصود ہو جاتے ہیں۔ لأن صاحب البذر يصير مستأجرا للأرض والعامل جميعاً ببعض الخارج ، والجمع بينهما يمنع صحة المزارعة (بدائع ٥-٢٦١)

لأنه خلاف مورد الشرع الذی هو خلاف القياس. (بدائع : ٥-٢٦٢)

(۵) کھیتی کاٹنے سے پہلے اس کی حفاظت کی شرط زمیندار پر لگانا۔ لأنه يمنع التخلية.

(٦) کھیتی کاٹنے، کھلیان تک پہنچانے، پاٹنے اور دانا اور بھوسہ الگ کرنے کے لیے اُڑانے کی شرط کاشتکار پر لگانا۔ امام ابو یوسفؒ تعامل ناس کی وجہ سے اس شرط کے جواز کے قائل ہیں۔ لأن الزرع لا يحتاج إليه إذ لا يتعلق به نماءه وصلاحه. والفتویٰ علی قول أبی یوسفؒ. (شامی:٩/٤٠٨)

(۷) ایسی شرط لگانا جس سے عاقدین میں سے کسی کا حصہ مجہول ہو جائے، جیسے دونوں میں سے کسی نے اپنے لیے پیداوار کا متعین وزن یا بوری مخصوص کر لی ہو یا زمین کے کسی متعین حصہ کی پیداوار اپنے لیے ہونے کی شرط لگائی ہو۔ لأنه يعود جهالة المعقود عليه.

(۸) پیداوار کی تقسیم کے بعد غلہ لادنے اور حفاظت کی شرط کاشتکار پر لگانا۔ لأنه ليس من عمل المزارعة. (بدائع:۵-۲۶۲) اس شرط کے متعلق کچھ تفصیل آگے آرہی ہے، اس کو ضرور ملاحظہ کیا جائے۔ ص:۱۵۴۔

(۹) زمیندار کا عامل کے ذمہ ایسی شرط لگانا جس کا اثر مزارعت کے بعد بھی باقی رہے۔ (مثلاً دیوار بنانے، نہر کھدوانے وغیرہ کی شرط لگانا) اس میں قدرے تفصیل ہے، جو اپنے مقام پر آرہی ہے۔

(۱۰) دانے عامل کے ہونے کی صورت میں زمیندار پر زمین جوتنے کی شرط لگانا۔ اس صورت میں کیوں کہ عامل زمین کا کرایہ دار ہے، اور زمیندار کے جوتنے کی شرط لگانے سے تخلیہ میں خلل واقع ہوتا ہے، لہٰذا یہ شرط مانعِ تخلیہ ہونے کی وجہ سے مفسدِ عقد ہے۔ اور زمیندار کے بیج ہونے کی صورت میں زمیندار کرایہ دار بنتا ہے اور اس وقت زمیندار پر جوتنے کی شرط لگانا مانعِ تخلیہ نہ ہونے کی وجہ سے عقد فاسد نہ ہوگا۔ کیوں کہ لزومِ عقد زمیندار کے حق میں بیج ڈالنے کے بعد ہوتا ہے۔

ولو شرط الكراب على رب الأرض فإن كان البذر من قبل العامل فالعقد فاسدٌ وإن كان من قبل رب الأرض فالعقد جائز لأنه إذا كان البذر من قبل العامل فالعقد فى جانب رب الأرض يلزم بنفسه و هذا الشرط يعدم التخلية بعد لزوم العقد . وإن كان من جانب رب الأرض ولزوم العقد فى جانبه إنما يكون بعد إلقاءِ البذر فى الأرض و الكراب يسبق ذلك فكانه استاجره لعمل الزراعة فى أرض مكروبة. (المبسوط: ۱۰۹/۲۳)

(۱۱) زمیندار اور عامل دونوں کے ذمہ دانے کی شرط لگانا۔ اس شرط کے مفسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں کرایہ دار کون ہے وہ طے نہیں ہو پاتا۔

والأصل فیها أن صاحب البذر هو المستاجر (شامی: ۴۰۳/۹)

(۱۲) جو بیج کا مالک نہ ہو اس کے لیے بھوسہ کی شرط لگانا۔ (كما مرّ)

ومنها (ای الشروط الفاسدة): شرط التبن لمن لایکون البذر من قبله. (بدائع: ۲۶۲/۵)

(۱۳) بیل یا آلے کو مقصود بنانا بایں طور پر کہ بیل ایک کا ہو اور باقی سب دوسرے کا ہو۔ فأما منفعة البقر فإن حصلت تابعة صحت المزارعة وإن جعلت مقصودة فسدت (بدائع ۵-۲۶۰)

(۱۴) زمیندار نے کاشتکار کو زمین سپرد کی اس شرط کے ساتھ کہ تو اپنے دانوں اور بیل کے ذریعہ اس فلاں شخص کے ساتھ مل کر کھیتی کا کام کر، جو کچھ پیداوار ہوگی اس میں سے ایک تہائی زمیندار کو، دو تہائی مالکِ بیج کو اور ایک تہائی تیسرے کام کرنے والے کے ہوں گے تو اس تیسرے کے حق میں مزارعت فاسد ہوگی، چنانچہ اس تیسرے کے لیے اس کے عمل کی اجرتِ مثلی واجب ہوگی۔

اسی مذکورہ صورت میں بیج زمیندار کے ہو تو سب کے حق میں مزارعت صحیح ہو جائے گی۔

أن تكون الأرض من جانب والبذر والبقر من جانب دفع صاحب الأرض أرضه إليه على أن يزرعها ببذره وبقره مع هذا الرجل الاخر على أن ما خرج من شيء فثلثه لصاحب الأرض وثلثاه

لصاحب البذر و البقر و ثلثه لذلك العامل وهذا صحيح فی صاحب الأرض والعامل الأول، وللعامل الثانی أجر مثل عمله..الخ (بدائع: ۲۶۱/۵)

(۱۵)ایسی مدت بیان کی جائے جس میں کھیتی نہ کی جا سکے۔مثلاً کم مدت بیان کرے یا ایسی لمبی مدت بیان کی جائے کہ لوگ اس مدت تک زندہ نہ رہ سکتے ہوں۔بعضوں نے اسے جائز قرار دیا ہے اوراس صورت میں عقد ایک سال یا ایک کھیتی پر واقع ہوگا اور شامی میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔(شامی:۹-۳۸۹)

(۱۶) کاشتکار کا حصہ شائع متعین نہ کیا جائے یا پیداوار کے علاوہ کوئی اور چیز متعین کی جائے یا کسی ایک کونے یا جگہ کے حصہ کی پیداوار متعین کر لی جائے یا مالکِ بیج کے اپنے دانے نکال کر باقی میں حصہ متعین کیا جائے۔فأما المزارعة فتقتضی الشركة فی كل الخارج واشتراط قدرٍ معلومٍ من الخارج يمنع تحقق الشركة فی كله.(بدائع:۲۵۸/۵)

(۱۷) بیج ایک کے اور بھوسہ دوسرے کے لیے متعین کیا جائے۔اس کا تفصیلی حکم سابق میں گذر چکا ہے۔

مزارعت کی جائز وناجائز صورتیں۔

مزارعت کے تمام مسائل صحت وفساد کے اعتبار سے ابتداءً ایک اصل پر متفرع ہوتے ہیں۔وہ یہ ہے کہ عقد مزارعت (پیداوار کے کچھ حصے کے عوض) بطورِاجارہ منعقد ہوتا ہے اور بطورِشرکت تام ہوتا ہے،اوراجارہ یا تو منفعتِ زمین کا ہوگا یا منفعتِ عامل (مزدورکی مزدوری) کا ہوگا،ان دو کے علاوہ (بیل اور بیج) کی منفعت کا اجارہ درست نہ ہوگا۔

وفی الکفایة:واعلم أن مسائل المزارعة فی الجواز والفساد مبنية علی أصلٍ و هو أنهاتنعقد إجارة وتتم شركةً و إنما تنعقد إجارة علی منفعة الأرض أو العامل ولا تجوز علی منفعة غیرهما من بقرٍ وبذرٍ.اه. (شامی:۹/۴۰۲)

اس اعتبار سے درجِ ذیل تین اموربطوراصول متعین ہوجاتے ہیں:

(۱)بعض پیداوار کےعوض زمین کواجرت پر دینا درست ہے۔

(۲)بعض پیداوار کےعوض مزدور سے اجرت کا کام لینادرست ہے۔

(۳)بعض پیداوار کےعوض زمین ومزدور کےعلاوہ کسی دوسری چیز کا اجارہ کرنا درست نہیں ہے۔

انہی تین اصولوں میں سے کسی نہ کسی پر مزارعت کی (صحیح اور فاسد) تمام صورتیں منطبق ہوجائے گی۔

مسائل هذاالفصل تدور علی أصل ، إن استیجار الأرض للزراعة ببعض ما یخرج منها جائز وكذلك استیجار العامل ببعض الخارج

جائز وأما استيجار غيرهما ببعض الخارج لايجوز. (الفتاوى التاتارخانية: ۲۳۳/۱۷)

نیز عقدِ مزارعت کی صحت کا مدار اس اصل پر بھی ہے کہ مالکِ بیج ہی کرایہ دار ہوگا۔ لہٰذا اگر بیج کا مالک زمیندار ہے تو وہ کاشتکار کو کرایہ پر لینے والا ہوگا اور اگر مالکِ بیج کاشتکار ہے تو وہ زمیندار سے اس کی زمین کرایہ پر لینے والا ہوگا۔

والأصل فيها أن صاحب البذر هو المستاجر. (شامی: ۴۰۲/۹)

چنانچہ مزارعت کی اولاً دو صورتیں ہوگی:

(۱) زمین کسی ایک کی ہوگی۔

(۲) یا زمین دونوں کی ہوگی۔ (اس کی تفصیل آگے آئے گی۔)

پھر اوّل کی دو شکلیں ہوں گی:

(۱) دانے ایک کے ہوں گے۔

(۲) یا دونوں کے ہوں گے۔ (اس کی تفصیل آگے آئے گی۔)

پھر اس پہلی شکل (دانے کسی ایک کے ہونے کی صورت) میں کئی صورتیں بنتی ہیں جن میں سے بعض صحیح اور دیگر بعض فاسد ہے۔

<u>مزارعت کی پہلی صورت</u>: زمین اور دانے دونوں ایک طرف اور عمل اور بیل وغیرہ آلاتِ عمل دوسری طرف ہو، اس صورت میں عقدِ مزارعت صحیح ہے۔ اس میں زمیندار (مالکِ بیج ہونے کی وجہ سے) کاشتکار کو اس کے بیل اور آلاتِ عمل کے ساتھ کرایہ پر لینے والا بنے گا۔

قال هي عندهما على أربعة أوجهٍ. إن كانت الأرض و البذر

لواحدٍ والبقر و العمل لواحدٍ جازت المزارعة. لأن البقر آلة العمل فصار كما إذا استاجر خياطاً ليخيط بإبرة الخياط.(هداية؛ بشرى: ۱۰۳/۷)

مزارعت کی دوسری صورت: زمین، دانے، بیل اور دیگر آلاتِ عمل ایک طرف اور دوسری طرف صرف عمل ہو، مزارعت کی یہ صورت بھی جائز ہے۔اس صورت میں زمیندار (مالکِ بیج ہونے کی وجہ سے) صرف کاشتکار کو اجرت پر لینے والا ہوگا۔

وإن كانت الأرض والبذر والبقر لواحدٍ والعمل لواحدٍ جازت. لأنه استاجره للعمل بآلة المستاجر، فصار كما إذا استاجر خياطاً ليخيط ثوبه بإبرته، أو طياناً ليطيّن بمَرّه. (أيضاً)

ان دونوں صورتوں میں معقود علیہ مقصود ’عامل کی منفعت‘ ہوگا، نیز پہلی صورت میں بیل وغیرہ آلاتِ زرع عامل کی منفعت (عمل) کے تابع ہوں گے۔

مزارعت کی تیسری صورت: زمین ایک طرف اور باقی سب (دانے، عمل اور بیل وآلاتِ عمل) دوسری طرف ہو، یہ صورت بھی مزارعتِ صحیحہ کی ہے۔اس میں کاشتکار (مالکِ بیج ہونے کہ وجہ سے) زمیندار سے اس کی زمین اجرت پر لینے والا ہوگا اور یہاں ’منفعتِ زمین‘ معقود علیہ مقصود ہے۔

وإن كانت الأرض لواحدٍ، والعمل والبقر والبذر لواحدٍ جازت. لأنه استاجر الأرض ببعض معلوم من الخارج فيجوز. كما استاجرها بدراهم معلومةٍ. (ايضاً)

مزارعت کی چوتھی صورت: زمین اور بیل ایک طرف اور دانے اور عمل دوسری طرف ہو، مزارعت کی یہ صورت ظاہر الروایۃ کے اعتبار سے فاسد ہوگی۔

اس وجہ سے کہ یہاں صاحبِ بذر (کاشتکار) زمین اور بیل دونوں کا کرایہ دار بنتا ہے۔ اور بیل عامل کے عمل کی جنس سے ہے نہ کہ زمین کی جنس سے، لہٰذا بیل اور زمین دونوں کی جنسِ منفعت الگ الگ ہونے کی وجہ سے بیل زمین کے تابع نہیں بن سکتا۔ اس لیے آخر وہ بھی زمین کے ساتھ ساتھ معقود علیہ مقصود بن جاتا ہے جو کہ خلافِ نص ہونے کی وجہ سے مفسدِ عقد ہوگا۔

البتہ امام ابو یوسفؒ اس صورت کو عرف کی وجہ سے درست قرار دیتے ہیں۔ وجہِ جواز یہ ہے کہ جس طرح زمیندار پر دانے اور بیل شرط کیے جانا درست ہے (جیسا کہ دوسری صورت میں گذرا) اس طرح زمیندار پر محض بیل کی شرط لگانا بھی درست ہوگا۔

وإن كانت الأرض والبقر لواحدٍ والبذر والعمل لآخر، فهي باطلة. وهذا الذي ذكره ظاهر الرواية، وعن أبي يوسفؒ أنه يجوز أيضاً، لأنه لو شُرط البذر والبقر عليه يجوز، فكذا إذاشُرط وحده وصار كجانب العامل، وجه الظاهر أن منفعة البقر ليست من جنس منفعة الأرض لأن منفعة الأرض قوة في طبعها يحصل بها النماء، و منفعة البقر صلاحية يقام بها العمل، كل ذلك بخلق الله تعالى فلم يتجانسا، فتعذر أن تجعل تابعة لها، بخلاف جانب العامل، لأنه تجانست المنفعتان، فجعلت تابعةً لمنفعة العامل. (أيضاً : ١٠٤)

فتاوی خانیہ میں ہے کہ والفتوی علی ظاہر الروایۃ .(۳/۱۷۷)

مفتی محمد نافع عارفی لکھتے ہیں کہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے پر فتوی دیا جائے اور چوتھی شکل کو بھی جائز قرار دیا جائے۔(اسلام کا نظام زراعت:۵۸)

ظاہر ہے کہ یہ فساد اس صورت میں ہے جب کہ زمین دار پر زمین کے ساتھ بیل کو مشروط قرار دیا گیا ہو۔ پس اگر زمیندار کی طرف سے بیل کی فراہمی بطور شرط نہ ہو، براہِ تبرع ہو، یا بوقت عقد سکوت ہو اور پھر زمیندار اپنی طرف سے بطور تعاون بیل فراہم کردے تو عقد درست ہونا چاہیے۔از، راقم۔

مزارعت کی پانچویں صورت: بیج اور بیل ایک طرف اور زمین وعمل دوسری طرف ہو، مزارعت کی یہ صورت بھی ظاہر الروایۃ میں فاسد ہے؛ کیوں کہ یہاں بیج والا، زمین اور عامل کے عمل دونوں کا کرایہ دار بنتا ہے جو کہ صحتِ مزارعت کے لیے مانع ہے۔

أن يكون البذر والبقر من جانبٍ والأرض والعمل من جانبٍ و هذا لا يجوز أيضاً، لأن صاحب البذر يصير مستاجراً للأرض والعامل جميعاً ببعض الخارج و الجمع بينهما يمنع صحة المزارعة.

(بدائع:٥/٢٦١)

مزارعت کی چھٹی صورت: ایک آدمی کی طرف سے صرف دانے اور باقی سب دوسری طرف ہو تو یہ صورت بھی ظاہر الروایۃ میں فاسد ہوگی، کیوں کہ یہاں بھی اوپر کی طرح بیج والا زمین اور عامل کے عمل دونوں کا کرایہ دار بنتا ہے، جو کہ

صحتِ مزارعت کے لیے مانع ہے۔(اس لیے کہ مزارعت میں معقود علیہ یا تو صرف زمین کی منفعت ہوتی ہے یا صرف عامل کی منفعت، دونوں جمع نہیں ہوں گی۔)

أن يكون البذر من جانب والباقي كله من جانب، وهذا لايجوز أيضاً. (بدائع:٥/ ٢٦١)

صاحبِ بدائع علامہ کاسانیؒ ان پانچویں اور چھٹی صورت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

وروى عن أبي يوسفؒ في هذين الفصلين أيضاً أنه يجوز. لأن استيجار كل واحدٍ منهما جائز عند الانفراد فكذا عند الاجتماع.

یعنی ان دونوں صورتوں کے متعلق امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ یہ بھی جائز ہے کیوں کہ زمین اور عمل کو تنہا طور پر کرایہ پر لینا جائز ہے ایسے ہی دونوں کو مجموعی طور پر لینا بھی جائز ہوگا۔(بدائع:۵/۲۶۱)

پھر آگے چل کر ان کے جواز کا حیلہ بیان کرتے ہیں کہ:

وطريق الجواز في هذين الفصلين بالاتفاق أن يأخذ صاحب البذر الأرضَ مزارعةً ثم يستعير من صاحبها ليعمل له، فيجوز. والخارج يكون بينهما على الشرط.

یعنی ان دونوں صورتوں میں بالاتفاق جواز کا طریقہ یہ ہے کہ بیج والا، زمیندار سے زمین مزارعت پر لے، پھر زمیندار سے بطورِ عاریت اپنی زمین میں کام کرائے۔تو یہ دونوں شکلیں بھی جائز ہو جائے گی اور پیداوار دونوں کے درمیان

شرط کے مطابق (حسبِ وعدہ) مشترک ہوگی۔(بدائع:۲۶۱/۵)

مزارعت کی ساتویں صورت: ایک کی طرف سے صرف بیل ہو اور باقی سب دوسرے کی طرف سے ہو تو یہ بھی فاسد ہیں۔البتہ امام ابو یوسفؒ کے قیاس کے مطابق جائز ہوسکتی ہے۔

آٹھویں صورت: اور اگر ایک کی طرف سے زمین، دوسرے کی طرف سے بیل و آلاتِ مزارعت، تیسرے کی طرف سے عمل اور چوتھے کی طرف سے بیج یوں؛ پوری جماعت مل کر مزارعت کرے، یہ صورت بھی جائز نہیں کیوں کہ مزارعتِ صحیحہ میں معقود علیہ یا تو منفعتِ زمین یا منفعتِ عامل ہونا ضروری ہے، ورنہ مزارعت صحیح نہیں ہوتی۔

صاحبِ بدائع علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کے قیاس کے مطابق یہ صورت بھی جائز ہونی چاہیے۔

أن يشترك جماعة من أحدهم الأرض ومن الأخر البقر ومن الأخر البذر ومن الرابع العمل وهذا لا يجوز أيضاً ... وعلى قياس ما روى عن أبى يوسف يجوز (بدائع:٢٦١/٥)

خلاصہ یہ کہ اگر تین یا چار افراد جمع ہو کر مزارعت کرے اور کسی کی طرف سے تنہا دانے یا تنہا بیل ہو تو وہ درست نہیں ہے۔

وعلى هذا لو اشترك ثلاثة أو أربعة ومن البعض البقر وحده أو البذر وحده كان فاسداً لما قلنا (أى لجمع العمل والأرض من واحد).وكذا لو اشترك ثلاثة او أربعة والبذر من أحدهم فقط أو البقر

من أحدهم فقط كان فاسداً لما قلنا. (فتاوى خانية:۱۷۷/۳)

مسئلہ: جائز نہیں کہ کوئی شخص صرف تخم یا صرف بقر یا صرف دوسرے آلات و مصارف دے کر مستحق شراکت (مزارعت) قرار پاجائے، زمین ایک کی ہو اور دوسرے کے ذمہ عمل (ہونا چاہیے) دوسری چیزیں مشترک ہوں یا مختص (کوئی حرج نہیں۔)(عطرِ ہدایہ:۱۲۱)

مذکورہ بالا صورتیں (جن میں سے پہلی تین صورتیں ظاہر الروایۃ کے مطابق اور امام ابو یوسفؒ کے مطابق بھی صحیح اور درست ہیں، اور بقیہ صورتیں ظاہر الروایت کے مطابق فاسد اور امام ابو یوسفؒ کی رائے کے مطابق صحیح بنتی ہیں، وہ) اس لحاظ سے تھی کہ زمین کسی ایک کی ہو اور دانے بھی کسی ایک ہی کے ہو؛ لیکن اگر زمین دونوں کی مشترک ہو یا بیج دونوں کی طرف سے ہو یا بیل دونوں کے ہو یا کچھ چیزیں ایک کی ہو دوسری کچھ چیزیں دوسرے کی ہو اور کچھ چیزیں کسی تیسرے کی ہو وغیرہ تو اس وقت اور زیادہ صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(فهي بالتقسيم العقلي سبعة أوجه) الحصر بناء على أن بعض الأربعة من واحدٍ والباقي من آخر أما لو كان بعضها من واحدٍ والباقي منهما فهي أكثر من سبعة كما لا يخفى . بقي الكلام في حكم ما عدا هذه السبعة. (شامي؛زكريا: ۴۰۲/۹، دررالحكام:۴۹۱/۳)

ذیل میں دیگر کچھ جائز و ناجائز صورتیں درج کی جاتی ہے۔

☆اگر بیج مشترک ہو اور باقی تین چیزیں ایک کی طرف سے ہو تو یہ درست نہیں؛ کیوں کہ بیج اگر ایک کی طرف سے ہو (کمافی الصورۃ السادسۃ الفاسدۃ) تو

جائز نہیں ہے اسی طرح یہاں دو کی طرف سے ہیں تو یہ بھی جائز نہیں۔ اسی طرح چاروں چیزیں مشترک ہوتو یہ بھی مزارعۃً درست نہیں، ان دونوں (بیج مشترک ہونے اور چاروں چیزیں مشترک ہونے کی) صورتوں میں پیداوار عاقدین کے درمیان اپنے دانوں کے بقدر ہوگی۔ اور عامل کے لیے اس کے عمل کی اجرت (اشتراک کی وجہ سے) نہ ہوگی۔

مثلاً إذا كان البذر مشتركاً والباقي من واحدٍ لايجوز لأنه لو كان من واحد لا يجوز فكذا إذا كان منهما، ومثله إذا كان الكل مشتركاً لكن في هاتين الصورتين يكون الخارج بينهما على قدر بذريهما ولا أجرة للعامل لعمله في المشترك. (شامي: ۴۰۳/۹)

أن يشترط في عقد المزارعة أن يكون بعض البذر من قبل أحدهما و البعض من قبل الأخر و هذا لا يجوز لأن كل واحدٍ منهما مستاجرا صاحبه في قدر بذره فيجتمع استيجار الأرض والعمل من جانب واحدٍ. وأنه مفسدٌ. (بدائع: ۲۶۲/۵)

☆ زمین ایک کی طرف سے، بیل دوسرے کا، اور بیج و عمل مشترک ہو اور پیداوار میں حصہ نصف نصف طے ہوا ہو۔ یہ صورت جائز ہے، جیسا کہ فتاوی خانیہ میں ہے۔

وفي الخانية: ولو كانت الأرض لأحدهما والبذر منهما وشرطا العمل عليهما على أن يكون الخارج نصفين جاز. (الفتاوى الخانية بهامش الفتاوى الهندية: ۱۷۸/۳)

☆ بیل ایک کی طرف سے، عمل دوسرے کا، زمین و بیج دونوں کے ہو، اور پیداوار نصف نصف طے ہو۔ یہ صورت بھی جائز ہے۔ البتہ غیر عامل اپنے نصف میں مددگار شمار ہوگا۔

کما فی الخانية : ولو كان الأرض والبذر منهما وشرطا العمل على أحدهما على أن يكون الخارج نصفين جاز. ويكون غير العامل مستعيناً في نصفه. (أيضًا)

☆ بیل ایک کا، زمین دونوں کی، اوردانے عامل کے ہو اور پیداوار میں عامل کا دوثلث کے بقدر حصہ طے کیا ہو۔ یہ بھی درست ہے۔

كما في الخانية؛ ولو كانت الأرض بينهما وشرطا أن يكون البذرو العمل من أحدهما .....إن كان البذر من العامل وشرطا ثلثي الخارج للعامل جاز. (ايضًا)

☆ زمین، دانے، اور ایک بیل ایک کی طرف سے، اور دوسرا بیل اور عمل دوسرے کی طرف سے ہو۔ علاّمہ نجم الائمہؒ سے اس کا جواز منقول ہے۔

سئل نجم الأئمةؒ لو كان من جانبه الأرض والبذر والثور ومن الآخر العمل والثور أيجوز قال نعم لأنه لو شرط كلا الثورين على أيّ واحد كان جائزاً فكذا إذا اشترط أحدهما (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية: ۲۰۳/۲)

دانے مشترک ہونے کے احکام

اگر صاحبِ بذر دونوں ہوتو کیا حکم ہوگا؟

اگر زمین ایک کی ہو اور بیج مشترک ہو اس کی درجِ ذیل چھ صورتیں ہوگی۔
(۱) عمل صرف عامل کے ذمہ ہو اور پیداوار عاقدین کے درمیان نصف نصف طے ہوئی ہوگی۔
(۲) یا اثلاثاً طے ہوئی ہوگی کہ عامل کے دو ثلث اور ایک ثلث زمیندار کی۔
(۳) یا اس کا برعکس ایک ثلث عامل کی اور دو ثلث زمیندار کی طے ہوئی ہوگی۔

ان تینوں صورتوں میں عامل کا شیءِ مشترک (یعنی مشترک بیج) میں اپنے شریک سے اجرت لے کر کام کرنا لازم آتا ہے اس وجہ سے عقد فاسد ہو جائے گا۔
یعنی شریک کا اجیر ہونا لازم آتا ہے جو کہ مفسد اجارہ ہے۔

والإجارة على عمل الأجير فيه شركة لايجوز (المحيط البرهانی : ٣٦٣/١٨) والإجارة على ما هو فيه شريك لايصح.(٣٦٥/١٨)

اور ان صورتوں میں عقد فاسد ہونے کی وجہ سے پیداوار عاقدین میں ان کے دانوں کے بقدر نصف نصف رہے گی۔

فأمّا إذا كان الأرض من أحدهما والبذر منهما فإن شرط العمل على المدفوع إليه الأرضَ بأن.... فهذه المسئلة على ثلاثة أوجه ......ففی الوجوه كلها المزارعة فاسدة. وفی الذخيرة : فإذا فسدت

المزارعة كان الخارج بينهما نصفان النصف للدافع والنصف للعامل.
(تاتارخانیۃ:۲۳۸/۱۷،المحیط البرہانی:۳۵۷/۱۸تا۳۶۰)

نوٹ:۔فقہ کی عام کتابوں میں یہ تحریر ہے کہ شریک اجیر نہیں بن سکتا(یعنی دو شخص کسی کاروبار میں شریک ہیں اور ایک کے لیے اس کے حصہ کے منافع کے ساتھ تنخواہ مقرر کریں تو یہ جائز نہیں ہے۔)لیکن حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے لمبی تحقیق کے بعد آخر میں لکھا ہے کہ نصِ مذہب کو تعاملِ خاص سے بھی ترک کیا جاتا ہے اور کمپنی(مشترکہ کاروبار)کے شرکاء کو اجیر رکھنے کا تعامل عام ہے لہٰذا اس سے بطریقِ اولی نصِ مذہب متروک ہوگی۔(احسن الفتاویٰ:۳۲۸/۷)نیز اس سے پہلے تحریر فرماتے ہیں کہ؛ ترکِ نص شرعی کے لیے تعاملِ عام شرط ہے،مگر ترکِ نص مذہب کے لیے تعاملِ خاص بھی کافی ہے۔

(حوالۂ بالا)(فتاوی زکریا:۵۶۱/۵،فقہ المعاملات:۲۰۵/۲اور۲۷/۲)

اس لحاظ سے مذکورہ بالا تین صورتیں اور آئندہ آنے والی وہ صورتیں جن کے فساد کی علت 'شریک کا اجیر ہونا لازم آنا' ہو،ان میں مزارعت فاسد نہیں ہونی چاہیے۔

لیکن صاحبِ خانیہؒ نے ان کے فساد کی وجہ یہ ذکر فرمائی ہیں کہ ان میں 'زمیندار اپنی زمین مزارعت کے لیے اس شرط کے ساتھ دیتا ہے کہ نصف زمین عامل کو بطورِ اعارہ دی جائے گی'۔لہٰذا اعارہ کی شرط کی وجہ سے مزارعت فاسد ہوگی۔

لأن هذه مزارعة بجميع الخارج بشرط إعارة نصف الأرض من

العامل. (الفتاویٰ الخانية على هامش الفتاوى الهندية: ۱۷۸/۳)

اس لحاظ سے کاشتکار کو ملنے والی نصف پیداوار پوری طیب نہ ہوگی اس کے ذمہ نصف زمین کی اجرتِ مثل واجب ہوگی اوراس کے اپنے دانوں کے بقدر اور نصف زمین کی اجرتِ مثل کے بقدر پیداوار حلال وطیب ہوگی، بقیہ کا تصدّق کرنا ہوگا۔

وله على الآخر أجر نصف الأرض لأن الأخر استوفى منفعة أرضه بعقدٍ فاسدٍ وما أخذ من الخارج يطيب له مقدار بذره ويرفع من الباقي أجر نصف الأرض وما أنفق أيضاً ويتصدق بالفضل. (أيضاً)

☆اور زمین ایک کی اور بیج مشترک ہونے کے ساتھ عمل دونوں کے ذمہ ہو اس کی کی حسبِ بالا تین صورتیں ہوگی۔

(۱) پیداوار نصف نصف طے ہوئی ہوگی تو اس وقت عقد درست ہوگا۔

لأن كل واحد منهما عامل في نصف الأرض ببذره فكانت هذه إعارة نصف الأرض لا بشرط العمل بخلاف الأوّل. (أيضاً)

اور زمیندار اپنی نصف زمین عامل کو عاریت پر دینے والا شمار ہوگا۔

ويصير صاحب الأرض معيراً نصف الأرض للعامل.

(المحیط البرہانی: ۳۶۰/۱۸)

اور اگر پیداوار نصف نصف کے بجائے اثلاثاً طے ہوئی ہو۔

(۲) یعنی ایک ثلث عامل کی اور دوثلث زمیندار کی، یا

(۳) ایک ثلث زمیندار کی اور دوثلث عامل کی طے ہوئی ہوتو ان دونوں

صورتوں میں بھی عقد فاسد ہوجائے گا۔

کیوں کہ ان میں اگر زمیندار کے عمل کی شرط نہ ہوتی تب بھی یہ فاسد تھیں جیسا کہ مذکورہ بالا دوسری اور تیسری صورت میں تھا، تو جب ان میں زمیندار کے عمل کی شرط آگئی (جو کہ مانعِ تخلیہ ہے) تو فساد اور بڑھ گیا۔

فأما إذا أن يكون لصاحب الأرض الثلثان و الثلث للذى يعمل معه، أو شرطا أن يكون ثلثا الخارج للعامل كانت المزارعة فاسدة فى المسئلتين جميعاً لأنهما لو لم يشترطا فى المزارعة عمل رب الأرض كانت المزارعة فاسدة ، فإذا شرط فيها عمل رب الأرض مع المزارع أولى أن تفسد المزارعة، وقد ازداد الفساد لأن عمل رب الأرض لو لم يكن مشتركاً يوجب الفساد لأنه مما يمنع التخلية بين الأرض وبين المزارع.(المحيط البرهانى:٣٦١/١٨)

ان دونوں صورتوں میں پیداوار دونوں کے درمیان اپنے اپنے دانوں کے بقدر (نصف نصف) ہوگی۔ زمیندار کو جو نصف پیداوار ملے گی وہ اس کے لیے حلال وطیب ہوگی اس میں کسی قسم کا خبث نہ ہوگا۔ اور کاشتکار پر پہلی صورت (یعنی زمیندار کے دو ثلث طے کئے جانے) میں نصف زمین کی اجرتِ مثلیہ زمیندار کے لیے واجب ہوگی۔ اور اس کے لیے نصف پیداوار میں سے صرف اپنے دانوں کے بقدر اور نصف زمین کی اجرتِ مثلیہ کے بقدر پیداوار حلال وطیب ہوگی۔ اور مابقی کا صدقہ کرنا ہوگا؛ کیوں کہ اس صورت میں گویا زمیندار نے مقتضاءِ عقد کے خلاف اپنی زمین کا عوض کاشتکار کی نصف پیداوار میں سے ایک ثلث طلب کیا ہے جو کہ

مزارعت کے لیے مفسد ہے۔

اور دوسری صورت (یعنی کاشتکار کے لیے دو ثلث طے کئے جانے) میں کاشتکار کے لیے پوری نصف پیداوار حلال وطیب ہوگی۔ اس پر نہ زمین کی اجرتِ مثلیہ واجب ہوگی اور نہ کسی قسم کا تصدّق لازم ہوگا؛ کیوں کہ اس صورت میں زمیندار کا اپنی نصف زمین کا کوئی عوض نہ طلب کرنے کی وجہ سے اس نصف کو بطورِ عاریت سمجھا جائے گا۔

وإذا فسدت هذه المزارعة في المسئلتين جميعاً يقول: إذا أخرجت الأرض طعاماً إن كان شرطا أن يكون الثلثان لرب الأرض والثلث للعامل، فالخارج بينهما نصفان على قدر بذريهما فما أصاب صاحب الأرض يكون طيباً له ، لايتصدق بشيءٍ منه لأنه خرج من أرضه وبذره، ولا خبث فيهما، والنصف الأخر للعامل إلا أن العامل يغرم أجر مثل نصف الأرض لأنه شرط له بإزاءِ نصف منفعة الأرض عوضاً، وهو بعض الخارج من بذر العامل .

١٨٣٥٢ :وإذا فسدت المزارعة غرم أجر مثل نصف الأرض ، ثم يأخذ من نصف الخارج قدرَ بذره وما غرم من أجرمثل نصف الأرض ويتصدق بالزيادة لأن الزيادة إنما استفادها من أرض غيره بحكم مزارعةٍ فاسدةٍ

وإن شرطا أن يكون الثلثان للعامل والثلث لرب الأرض

فـالـخـارج بينهما نصفان على قدر بذريهما إلا أن العامل لايغرم شيئاً مـن أجر مثل الأرض لصاحب الأرض بخلاف المسئلة الاولىٰ أن فى الـمسئلة الأولى رب الأرض ابتغىٰ بإزاءِ منفعة نصف الأرض عوضاً، وهـو ثلث ما يخرج من بذر المزارع فأما ههنا لم يبتغ عوضاً فإن رب الأرض لـم يشتـرط على العامل شيئاً من بذر العامل بل شرط له بعض الخارج من بذره. وإذا لم يبتغ عوضاً بإزاءِ ما يزرعه العامل لنفسه كان الأرض عـاريةً عنده فلم يغرم شيئاً من أجر مثل الأرض لصاحبه ولهذا يـطيـب نـصف الـخـارج لـلـعامل، لأنه استفاد عن أرض غيره بحكم الإعـارـة لا بـحـكـم إجارة فاسدة بخلاف مسئلة الأولى فإنه استفاد الخارج بحكم إجارة فاسدةٍ. (المحيط البرهانى:۳٦۱/۱۸)

یادرہے کہ مذکورہ بالا صورتیں اور آئندہ آنے والی صورتوں کو صاحبِ محیط برہانیؒ نے ایک اصولی بات پر متفرع فرمایا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

’’ایسے مسائل کی تخریج اس طرح ہوگی کہ کاشت کی ہوئی دونوں نصف نصف زمین کو مستقل الگ الگ زمینیں شمار کریں گے پھر تقدیری طور پر مزارعت کو مانیں گے اس طرح دو مستقل زمینوں کا عقد ہوجائے گا، اور دیکھا جائے گا کہ جوصورت دو زمینوں میں درست ہوگی ویسی ہی صورت ایک مشترک زمین (چاہے وہ عاریۃً مان کر ہو اس) میں بھی درست ہوگی اور جوصورت دو مستقل زمینوں میں درست نہ ہوگی ویسی صورت ایک مشترک زمین میں بھی درست نہ ہوگی۔‘‘

والـوجـه فـى تـخـريـج هـذا المسئلة وما يجانسها أن نجعل ما يـختـص بـه كل واحدٍ منهما من نصف الأرض كأرضٍ على حدةٍ ثم يقدر المزارعة تقديراً فما جاز فى أرضين جاز فى أرض على حدةٍ وما فسد فى أرضين فسد فى أرض واحدةٍ.الخ.(المحيط البرهانى:۳۵۸/۱۸)

زمین کے مشترک ہونے کے احکام

اگر زمین مشترک ہو تو کیا حکم ہوگا؟

اگر زمین عاقدین میں مشترک ہو تو دیکھا جائے گا کہ بیج کس کے ذمہ ہیں؟ دونوں کے ہیں یا کسی ایک کے؟ اور اگر کسی ایک کے ہیں تو کیا وہ عامل (مدفوع الیہ) کے ہیں یا پھر غیر عامل (دافع، صاحب ارض) کے ہیں؟

☆ اگر دانے عامل کے ہیں تو دیکھا جائے گا کہ پیداوار کس تناسب سے طے ہوئی ہیں؟ اس کی درجِ ذیل تین صورتیں ہیں۔

(۱) اگر پیداوار نصف نصف طے ہوئی ہے تو عقد دافع کے حق میں فاسد ہوگا اور عامل کے حق میں مشورہ سمجھا جائے گا، جس کی بنا پر عامل کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو وہ کھیتی کرے یا چاہے تو وہ کھیتی نہ کرے۔ گویا عامل کو دافع نے یوں کہا کہ 'تو میری زمین میں تیرے دانوں سے کھیتی کر جس کی ساری پیداوار میں لوں گا؛ لیکن شرط یہ ہے کہ تو تیری زمین میں تیرے ہی دانوں سے کھیتی کر جس کی ساری پیداوار تو لے گا۔

١٨٣٥٣ : .... فأما إذا كان الأرض بين رجلين دفعها أحدهما إلى صاحبه على أن يزرعها، فيكون الخارج بينهما، فهذه المسئلة على وجهين : إما أن يكون البذر من جهة المزارع أو من جهة الدافع. فإن كان من جهة المزارع وشرطا أن يكون الخارج بينهما نصفين فهذه المزارعة فاسدة هكذا ذكر محمدؒ فى الكتاب . فقال مشائخناؒ

: أراد بقوله 'المزارعة فاسدة' المزارعة فى نصيب الدافع لأنه لا مزارعة فـى نـصيـب الـمزارع بل فى نصيبه مشورة وهو بالخيار إن شاء زرع وإن شاء لم يزرع. (المحيط البرهانى: ۳٦۲/۱۸)

اس صورت میں دافع کے حق میں عقد فاسد ہونے کی وجہ سے ساری پیداوار عامل (صاحبِ بذر) کی ہوگی، البتہ عامل کی اپنی نصف زمین کی پیداوار حلال وطیب ہوگی اور دافع والی نصف زمین کی پیداوار میں خبث آجانے کی وجہ سے اس میں سے عامل اپنے دانے نکال لینے اور دافع کو اس کی نصف زمین کی اجرتِ مثلیہ دے دینے کے بعد بقیہ پیداوار کا صدقہ کرنا ہوگا۔ دافع کے لیے صرف اس کی زمین کی اجرتِ مثلیہ ہی ہوگی۔ نیز پیداوار نہ ہونے کی صورت میں بھی عامل، دافع کے لیے اس کی زمین کی اجرتِ مثلیہ کا ذمہ دار ہوگا۔

وإذا فسـدت الـمـزارعة إن أخـرجـت الأرض كثيـراً كـان كلـه لـصـاحـب البـذر وهو المزارع، يأخذ المزارع نصف ذلك فيطيب له لأنـه خـرج مـن أرضه وبذره ولا خبث فى ذلك والنصف الآخر خرج مـن نـصيـب الدافع يرفع العامل من ذلك مقدار بذره وما غرم من أجر نـصف الأرض لـصـاحبـه. ويتـصـدق بـالزيادة لأن الفساد تمكّن فى إجـارـة الأرض فـى نـصيب الدافع قد فسد، والـخـارج الـحاصل من الأرض بحكم إجارة فاسدة سبيله التصدق به،

وإن لـم تخرج الأرض شيئاً غرم المزارع للدافع أجر مثل نصف الأرض، وهو نصيب الدافع من الأرض ، لأن المزارعة قد فسدت وقد

استوفى منفعة نصيبه بحكم مزارعة فاسدة و كان عليه أجرمثل نصيب الدافع من الأرض. (المحيط البرهاني:١٨/٣٦٢)

(۲) اور اگر عامل کے لیے دوثلث اور دافع کے لیے ایک ثلث طے ہوا ہوتو یہ عقد درست ہوگا۔ اور پیداوار میں دونوں شرط کے مطابق ہی شریک ہوں گے یعنی دوثلث عامل کے اور ایک ثلث دافع کا ہوگا۔ یہ عقد بھی عامل کے حق میں مشورہ شمار ہوگا جس کی وجہ سے عامل کھیتی کرنے نہ کرنے میں مختار ہوگا۔ اور دافع کے حق میں مزارعت ہوگا۔

لأن من لا بذر منه صار دافعاً أرضه مزارعةً ليزرعها العامل على أن يكون ثلثه الخارج للعامل وذلك جائز. (الفتاوى الخانيةعلى هامش الهندية:٣/١٧٨)

وإن كان البذر من جهة المزارع وشرطا أن يكون الخارج بينهما أثلاثاً فإن شرطا الثلثين للمزارع والثلث للدافع فهذا جائز والخارج بينهما على ما شرطا لأن تقدير هذه المزارعة كأن الدافع قال للمزارع: ازرع أرضي ببذرك ليكون الخارج بيننا أثلاثاً ثلثاه لي وثلثه لك على أن تزرع أرضك ببذرك ليكون الخارج كله لك وهذه مشورة وأنها جائزة، فالأول مزارعةً جائزة أيضاً أكثر ما فيه أن المشورة صارت مشروطة في المزارعة إلا أن اشتراط المشورة في المزارعة لا توجب فساد المزارعة. (المحيط البرهاني:١٨/٣٦٢)

(۳) اور اگر عامل کے لیے ایک ثلث اور دافع کے لیے دوثلث طے ہوئے

ہوتو عقد فاسد ہوگا کیوں کہ اس صورت میں دافع نے اپنے لیے بعض اس پیداوار کو مشروط کردیا ہے جس میں اس کا نہ دانہ ہے اور نہ کوئی عمل ہے۔

وإن شرطا الثلثين للدافع فهذا الفصل لم يذكره محمدؒ في الأصل قالوا: ويجب أن تكون هذه المزارعة فاسدة لأن تقدير هذه المزارعة كأن الدافع قال للمزارع: ازرع أرضي ببذرك فيكون الخارج كله لي على أن تزرع أرضك ببذرك ليكون الخارج بيننا أثلاثاً لان الدافع شرط لنفسه بعض الخارج في أرض المزارعة ليس له في ذلك لا بذر ولا عمل. (المحيط البرهاني: ١٨/٣٦٤)

☆ اور اگر دانے عامل کے نہ ہو بلکہ خود دافع کے ہوتو اس وقت بھی حسب بالا تین صورتیں ہوگی۔

(۱) پیداوار عاقدین میں نصف نصف طے ہوئی ہوگی، اس صورت میں عقد فاسد ہوگا اس لیے کہ یہاں دافع نے اپنی زمین میں عمل کرنے کی اجرت میں عامل کے لیے اس کی اپنی زمین میں بونے کے لیے 'دانے بطورِ قرض دینا' متعین کیا ہے جو درست نہیں؛ کیوں کہ صاحبِ بذر (دافع) نے عامل کی اجرت ایسی چیز قرار دی ہے جو اجرت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے، جس کی وجہ سے عقد فاسد ہوگا۔

أما إذا كان من جهة الدافع و شرطا أن يكون الخارج بينهما نصفان فالمزارعة فاسدة أيضاً .... لأن الدافع جعل أجرة عمل المزارع في أرض الدافع أن يقرضه بذراً يزرع به أرضَ نفسه.

(المحیط البرہانی: ۱۸/۳۶۲، ۳۶۳)

چنانچہ دافع کی زمین والے نصف حصہ کی پیداوار دافع کی ہوگی اور اس نصف میں عامل، دافع کی مدد کرنے والا شمار ہوگا اور عامل کی زمین والے نصف حصہ کی پیداوار عامل کی ہوگی البتہ عامل کی زمین والے دانے بطورِ قرض ہے اس لیے عامل دافع کے لیے ان دانوں کے بقدر ضامن ہوگا۔

فإنّ من قال لآخر: ازرع أرضك ببذری لیکون الخارج كله لك كان جميع الخارج للمزارع وصار الدافع مقرضاً للبذر من المزارع؛ وقوله: ليزرع أرضى ببذرى ليكون الخارج كله لى يكون استعانة بالعمل. وإذا شرط أحدهما فى الآخر فقد جعل أجرة عمل المزارع فى أرض صاحب البذر. اأنه متى صار أجيراً بعملٍ صار القرض مضموناً بالمثل وبزيادة، وهو عمل المزارع فى أرض صاحب البذر وهذا لا يجوز، وصاحب البذر استاجر العامل بما لا يصلح أجراً. ففسدت الإجارة (أيضاً)

اس عقد کے فاسد ہونے کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ آخر کار بیج مشترک ہوجاتے ہیں پھر شریک کا اجیر ہونا لازم آتا ہے جو کہ مفسد اجارہ ہے،

لأنه يصير الأجر مشتركاًبينهما فيصير الدافع مستاجراً للعامل ليعمل فى بذر مشتركٍ والإجارة على عمل الأجير فيه شركة لا يجوز.
(المحیط البرہانی:۱۸/۳۶۳)

(۲)اوراگر پیداوار میں شرکت بایں طور طے ہوئی ہے کہ دوثلث دافع کے اور ایک ثلث عامل کا ہوگا تو یہ عقد بھی فاسد ہوگا۔کیوں کہ یہاں دافع نے اپنی

زمین میں عامل کے عمل کے عوض کے طور پر خود عامل کی زمین کی 'بعض پیداوار' متعین کی ہے۔

وإن شرطا أن يكون أثلاثاً إن شرطا الثلثين للدافع فهذا فاسد... لأن الدافع جعل أجرة عمل العامل فى أرض نفسه بعض ما تخرجه أرضُ المزارع. (المحيط البرهاني: ۳٦٤/١٨)

پیداوار ہونے کی صورت میں ساری پیداوار عقد کے فاسد ہونے کی وجہ سے صاحبِ بذر دافع کی ہوگی اور دافع، عامل کے لیے اس کے پوری زمین کے عمل کی اجرتِ مثلیہ کا اور عامل کی زمین کی اجرتِ مثلیہ کا (دونوں کا) ضامن ہوگا۔

إذا فسدت هذه المزارعة وأخرجت الأرض طعاماً فالخارج كله لصاحب البذر وهوالدافع. ويغرم الدافع للعامل أجر مثل عمله فى جميع الأرض، وأجر مثل نصف الأرض. لانه استوفى عمله و منفعة أرضه بحكم مزارعة فاسدة فيغرم لذلك مثل الأجر. (المحيط البرهاني:۳٦٤/١٨)

چنانچہ دافع کے لیے پوری پیداوار میں سے نصف پیداوار اور دوسری نصف میں سے اپنے دانوں کے بقدر اور عامل کے عمل کی اجرتِ مثلیہ، نیز اس کی زمین کی اجرتِ مثلیہ کے بقدر حلال وطیب ہوگی مابقی کا صدقہ کرنا ہوگا۔

ويطيب له نصف الخارج لأنه خرج من أرضه وبذره وأما النصف الآخر فإنما خرج من أرض المزارع فيأخذ من ذلك نصف

بذره ونصف ما غرم من أجر مثل عمل العامل ونصف أجر مثل الأرض، ويتصدق بالزيادة. لأن الزيادة استفادها من أرض غيره بحكم مزارعة فاسدة. (المحيط البرهانی: ١٨/ ٣٦٤،٣٦٥)

(۳) اور اگر دافع کے لیے ایک ثلث اور عامل کے لیے دو ثلث طے ہوئے ہوتو یہ عقد فاسد ہو جائے گا؛ کیوں کہ یہاں پر بھی دافع نے عامل کے عمل کی اجرت میں بعض حصہ خود عامل کی زمین کی پیداوار طے کیا ہے جو کہ مفسدِ عقد ہے۔

وإن شرطا الثلثين للمزارع لم يذكر هذا الفصل فی الكتاب: قال ويجب أن تكون فاسدة لأن التقدير .... والدافع جعل أجر عمل المزارع فی أرضه بعض الخارج من أرضه وهذا فاسد. (المحيط البرهانی: ١٨/ ٣٦٥)

نوٹ: بظاہر یہ صورت جواز کی ہونی چاہیے، بایں طور کہ دافع نے عامل کو اس کے اپنے حصہ کی زمین میں کاشت کرنے کے لیے نصف بیج قرض دیا اور اپنی یعنی دافع کی زمین میں مزارعت کرنے کی اجرت میں ایک ثلث طے کیا، کیوں کہ دافع کی زمین اور بیج ہونے کی صورت میں دافع کی زمین میں عامل اجیر ہوگا۔

البتہ عامل کے (دافع کی زمین میں) عملِ مزارعت کی اجرت، اس زمین کی ثلث پیداوار کے ساتھ اس قرض کو بھی مانا جائے جو بیج کی شکل میں عامل کو اس کی زمین میں کاشت کرنے کے لیے دیا گیا ہے تو قرض چوں کہ اجرت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے مزارعت فاسد ہوگی۔

زمین اور بیج دونوں مشترک ہوتو کیا حکم ہوگا؟

اگر زمین اور بیج دونوں مشترک ہو اور عمل صرف عامل کے ذمہ ہو تو اس کی بھی مختلف صورتیں ہیں:

(۱) اگر پیداوار نصف نصف طے ہوئی ہے تو یہ عقد درست ہوگا اور دونوں شرط کے مطابق پیداوار میں شریک ہوں گے۔

فأما إذا كان البذر منهما فهو على وجوهٍ: الأول: إذا شرطا أن يكون البذر بينهما وفي هذا الوجهإن شرطا الخارج بينهما نصفان فهو جائز والخارج بينهما على ما شرطا. لأن هذاالعقد كأن الدافع قال للمزارع: ازرع أرضي ببذري على أن يكون الخارج كله لي وازرع أرضك ببذرك على أن يكون الخارج كله لك وكل واحد منهما جائز حالة الانفراد لأن احدهما استعانةوالآخر مشورة. (المحيط البرهاني: ۳٦٥/۱۸)

(۲) اور اگر عامل کے لیے دو ثلث اور دافع کے لیے ایک ثلث طے ہوئی ہو تو اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں، ابوسلیمان کی روایت میں اور ابوحفص کی بعض روایات میں اس عقد کو فاسد قرار دیا ہے اور ابوحفصؒ کی دوسری بعض روایات میں اس عقد کو جائز شمار کیا ہے۔

اس عقد کا مطلب یہ ہوا کہ عامل اپنی زمین میں اپنے بیج سے اپنا کام کرتا ہے، اس حصے میں کوئی مزارعت نہیں۔ دوسرے حصے میں دافع نے اس اپنی زمین اور اپنے بیج دے کر اس سے مزارعت کا عقد کیا ہے۔ اور اپنی زمین کے پیداوار کا

ایک حصہ بطور اجرت متعین کیا۔

فقیہ ابو بکر بلخیؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں دونوں روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہیں بلکہ یہ دو مختلف موضوع کے لحاظ سے دو مختلف حکم ہیں۔ جیسا کہ فقیہ ابو اسحاق حافظؒ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں اور دونوں صحیح ہیں، کوئی اختلاف نہیں ہے کیوں کہ دونوں کے بیج، بیج ڈالنے کے وقت مخلوط تھے تو یہ عقد مزارعت فاسد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مشترک بیج میں ایک شریک کو عامل بنانا لازم آتا ہے جو کہ مفسدِ اجارہ ہے۔ اور ایسی صورت میں عامل اجرت کا مستحق نہیں ہوتا۔

وإن شرطا أن يكون ثلثا الخارج للمزارع وثلثه للدافع، ذكر فى رواية أبى سليمان وفى بعض روايات أبى حفص : أنها فاسدة، وذكر فى بعض روايات أبى حفص : أنها جائزة، وكان الفقيه ابوبكر البلخى يقول : ليس فى المسئلة اختلاف الروايتين و لكن اختلف الجواب لاختلاف الموضوع وكان الفقيه أبواسحاق الحافظ يقول : فى المسئلة روايتان وهو الصحيح ، ولا خلاف أن البذر إن كان مختلطاً وقت الإلقاء أن المزارعة فاسدة وأنما فسدت المزارعة إذا كان البذر مختلطاً وقت الإلقاء لأن الدافع يصير شارطاً للعامل بعض الخارج من بذره وأجرة عمله فى بذر مشتركٍ والمزارعة على هذا الوجه فاسدة لأن المزارعة تنعقد إجارةً ابتداءً والإجارة على ماهو فيه شريك لايصح وإذا عمل الأجير لايستوجب شيئاً. (المحيط البرهانى : ٣٦٥/١٨)

اور دونوں اپنے دانوں کے بقدر پیداوار میں نصف نصف کے شریک ہوں گے۔

اور اگر دونوں کے بیج ڈالنے کے وقت تو علیحدہ تھے؛ لیکن ڈالنے کے بعد حادثاتی طور پر پیداوار میں مشترک ہوگئے تو یہ عقد مشترک بیج میں اجارہ نہ ہونے کی وجہ سے درست ہوگا اور دونوں اپنی شرط کے مطابق پیداوار میں شریک ہوں گے۔

وأما إذا لم يكن البذر مختلطاً قبل الإلقاء، فوجه رواية الجواز ظاهرٌ أن البذر إذا لم يكن مشتركاً وقت الإلقاء، ولايكون هذا إجارة على عملٍ فى محل مشتركٍ بل يكون إجارة على عملٍ يصيرالحاصل مشتركاً على تقدير الحدوث، وأنه لا يمنع جواز العقد لأن الخارج فى المزارعات كلها يحدث مشتركاً ولا يمنع ذلك جواز المزارعة ، و هذا الرواية أصحّ عندى (١٨٣٥٧) وإذا جازت المزارعة على هذه الرواية كان الخارج بينهما على ما شرطا. (المحيط البرهانى: ٣٦٦،٣٦٥/١٨)

(۳) اور اگر دو ثلث دافع کے لیے اور ایک ثلث عامل کے لیے طے ہوا ہو تو اس صورت میں عقد فاسد ہوگا؛ کیوں کہ اس صورت میں دافع کا اپنی زمین میں عامل سے مدد طلب کرنا اور ساتھ ہی عامل کی زمین اور اس کے دانوں سے پیدا شدہ غلہ کا بعض حصہ شرط لگانا پایا جاتا ہے جو کہ مقتضاءِ عقد کے خلاف ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کپڑا سینے والے سے بلاعوض اپنا کپڑا سلائے اور ساتھ ہی اس سے ایک درہم لینے کی شرط لگائے۔

وإن شرطا أن يكون ثلثا الخارج للدافع والثلث للمزارع فالمزارعة فاسدةعلى الروايات كلها لأن تقدير هذه المزارعة كأن الدافع قال للمزارع : ازرع أرضى ببذرى على أن يكون الخارج كله لى وازرع أرضك ببذرك على أن يكون الخارج بيننا أثلاثاً وهذا فاسد لأنه استعانة بالعامل فى نصف الأرض وشرط على العامل ببعض الخارج من ارضه و بذره فهو نظير من رفع الى خياط ثوباً ليخيط له بغير شيءٍ الى (على) ان يعطى الخياط درهماً لصاحب الثوب.(المحيط البرهانى: ۳٦٦/۱۸)

(۴)اور اگر بیج میں اشتراک نصف نصف کے طور پر نہیں بلکہ اثلاثاً ہو یا کوئی اور تناسب سے ہوتو اس وقت بھی عقد فاسد ہوگا اور آخر پیداوار میں دونوں اپنے دانوں کے بقدر شریک ہوں گے۔

۱۸۳٥۸: ولو شرطا أنّ ثلثى البذر على الدافع وثلثه على المزارع إن شرطا أن يكون الخارج بينهما فالمزارعة فاسدة ويكون الخارج بينهما على قدر بذريهما .

وكذلك إذا شرطا فى هذا الوجه أن يكون الخارج بينهما على قدر بذريهما، الثلثان للدافع والثلث للمزارع ،كانت المزارعة فاسدة أيضاً وكذلك إذا شرطا أن يكون ثلث البذر للدافع والثلثان للعامل كانت المزارعة فاسدة ايضاً.(المحيط البرهانى: ۳٦٦/۱۸)

مزارعتِ صحیحہ کا حکم

جب مزارعت صحیح ہوگئی ہو (جیسے کہ پہلی تین صورتوں میں اور امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق بعد کی چار صورتوں میں بھی) تو پیداوار عاقدین کے درمیان اسی شرط کے حساب سے (حسبِ وعدہ) تقسیم ہوگی جو ان میں طے ہوئی تھی، کیوں کہ ضابطہ ہے کہ المسلمون عند شروطھم، مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہوتے ہیں اور یہاں انہوں نے ایک شرط کا التزام کیا ہے جو کہ صحیح ہے؛ اس لیے وہ اپنی شرط کے مطابق پیداوار میں شریک ہوں گے۔

لیکن ان صورتوں میں اگر پیداوار ہی نہیں ہوئی تو عامل کو کچھ نہ ملے گا۔ اس وجہ سے کہ عامل شرکت کی بناء پر پیداوار میں مستحق ہوتا ہے؛ مگر جب پیداوار ہی نہیں تو وہ کس چیز کا مستحق ہوگا، نیز اس کی اجرت بھی 'بعض پیداوار' ہی بطورِ اجرتِ مسمیٰ متعین ہوتی ہے؛ لیکن جب پیداوار وجود میں ہی نہیں آئی تو پھر اسے کچھ نہ ملے گا۔

البتہ مزارعتِ فاسدہ کا حکم اس سے مختلف ہے؛ چنانچہ مزارعت کی تمام فاسد صورتوں میں پیداوار نہ ہونے کی صورت میں بھی کاشتکار اجرتِ مثل کا حقدار ہوگا جب کہ بیج زمیندار کے ہوں، اور اگر بیج خود کاشتکار کے ہیں تو زمیندار کے لیے کاشتکار زمین کے کرایہ کا ذمہ دار ہوگا؛ کیوں کہ وہاں اجرتِ مثل ذمہ میں واجب ہوتی ہے، اور جو چیز ذمہ میں واجب ہوا سے پیداوار ہونے، نہ ہونے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (مزارعتِ فاسدہ کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔)

قال وإذا صحت المزارعة فالخارج على الشرط لصحة الالتزام، وإن لم تخرج الأرض شيئاً فلا شيءَ للعامل،لأنه يستحقه شركة ولا شركة في غير الخارج، وإن كانت إجارة فالأجر مسمىً، فلا يستحق غيره، بخلاف ما إذا فسدت، لأن أجر المثل في الذمة، ولا تفوت الذمة بعدمِ الخارج . (هدايه:۱۰۷/۷)

امام ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق بعد کی چار صورتوں میں بھی ایسا ہی حکم ہوگا؛لیکن ظاہر الروایۃ کے مطابق یہ صورتیں فاسد ہونے کی وجہ سے ساری پیداوار مالکِ بیج کی ہوگی کیوں کہ یہ اسی کے بیج کی پیداوار ہے،اور دوسرا فریق (غیر رب البذر) چوں کہ عقدِ صحیح میں شرط کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے اور یہ عقد فاسد ہے اس لیے وہ اجرتِ مثل کا مستحق ہوگا یعنی اگر بیج زمیندار کے تھے تو کاشتکار کو اس کے عمل کی اجرتِ مثل ملے گی اور اگر بیج کاشتکار کے تھے تو زمیندار کو اس کی زمین کی اجرتِ مثل ملے گا۔

مزارعت صحیحہ کے احکام

الغرض مزارعت جب صحیح ہو تو عاقدین پر درجِ ذیل احکام نافذ ہوں گے۔

(۱) کھیتی کی اصلاح کے لیے جو عمل ضروری ہے وہ کاشتکار کے ذمہ ہوگا۔

(۲) ہر کام جو کھیتی کے نفقہ (ومصارف) کے قبیل کا ہوگا وہ دونوں پر اپنے حصہ کے بقدر رہے گا۔(ان دونوں حکموں کا تفصیلی بیان آگے آرہا ہے۔)

(۳) پیداوار دونوں کے درمیان شرط کے مطابق حسبِ وعدہ مشترک رہے گی۔(کمامرّ)

(۴) پیداوار نہ ہونے کی صورت میں دونوں میں سے کسی کے لیے کچھ نہ ہوگا، چاہے بیج کسی کے بھی ہو۔ نہ کاشتکار کے لیے مزدوری اور نہ زمیندار کے لیے زمین کا کرایہ۔ برخلاف مزارعتِ فاسدہ کے۔ (کمامرّ)

(۵) بیج والے کے حق میں عقد لازم نہ ہوگا حتّٰی کہ وہ بیج ڈالنے سے پہلے مزارعت سے انکار کرنا چاہے تو اس کے لیے انکار کرنے کی اجازت ہے، چاہے کوئی عذر ہو یا نہ ہو اور جس کے بیج نہ ہو اس کے حق میں عقد لازم ہے، یہاں تک کہ اس کے لیے بغیر کسی عذر کے عقد سے انکار کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر کاشتکار نے زمین کو جوت لے اور ابھی تک بیج زمین میں ڈالے نہ ہو اور زمیندار (بیج والا) مزارعت سے انکار کرنا چاہے تو اس کے لیے انکار کی گنجائش ہے ایسی صورت میں کاشتکار کے لیے اپنے عمل کے عوض کچھ نہ ہوگا، البتہ دیانۃً زمیندار (مالکِ بیج) کو چاہیے کہ وہ کاشتکار کو جوتائی کی مزدوری دے کر راضی کرے۔

لو فسخ رب البذر المزارع بعد كراب العامل للأرض فليس له أخذ شيءٍ قضاءً مقابل عمله لأن ما أوجد العامل هو عبارة عن المنفعة والمنافع إنما تتقوم بالعقد فإذا لم يخرج وينتج شيء؛ فلا يلزم شيء ولكن لصاحب الأرض إرضاء العامل ديانةً بسبب أن صاحب الأرض قد غرر بالعامل (الطوری) فيفتی المفتی بإعطاء أجر مثله وإن كان القاضي لا يحكم عليه به.(درر الحكام شرح المجلّة:۴۹۴/۳)

(٦) کیا مشروط پیداوار سے کم یا زیادہ دیا جا سکتا ہے؟

اس کی مختلف شکلیں ہیں۔

اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ جو عقد از سر نو کیے جانے کا احتمال رکھتا ہو وہ زیادتی کا احتمال رکھے گا، اور جو انشاءِ عقد کا احتمال نہ رکھتا ہو وہ زیادتی کا احتمال نہیں رکھے گا اور کمی بہر حال درست ہے چاہے وہ انشاءِ عقد کا احتمال رکھتا ہو یا نہیں۔

چنانچہ دیکھا جائے گا کہ یہ کمی زیادتی کاشتکار کی جانب سے ہوگی یا زمیندار کی جانب سے ہوگی، پھر یہ کمی زیادتی کھیتی کٹنے سے پہلے ہوگی یا کھیتی کٹنے کے بعد ہوگی، بیج کاشتکار کے ہوں گے یا زمیندار کے ہوں گے۔

[۱] اگر بیج کاشتکار کے تھے اور کاشتکار زمیندار کو اس کے مشروط حصہ سے زیادہ کرنا چاہے تو اگر کھیتی کٹنے کے بعد زیادتی کرتا ہے تو جائز نہیں۔

فلو زاد العامل المزارع فى حصة صاحب الأرض بعد الحصاد وكان البذر منه أي من العامل لم يجز؛ لأن الزيادة على الأجرة تمت بعد انتهاء عمل المزارعة واستيفاء المعقود عليه وهو المنفعة وهو لا يجوز ، إذ لو أنشأ العقد بعد الحصاد ، لا يجوز فلا تجوز الزيادة . (الفقه الاسلامى وأدلة: ٤٩٢/٥)

[۲] اور اگر یہ زیادتی کھیتی کٹنے سے پہلے کاشتکار کرے تو جائز ہے:

إما إن حدثت الزيادة من كل واحدٍ من العاقدين قبل الحصاد فيجوز۔ (أيضًا: ٤٩٣/٥)

[۳] اور اسی صورت میں اگر زمیندار کاشتکار کے حصہ میں اضافہ کرے تو

جائز ہے:

وإن كـانت الزيادة للمزارع فى هذه الحالة من صاحب الأرض جازت. (ايضًا)

[۴] اور اگر بیج زمیندار کے تھے اور زمیندار کاشتکار کے حصہ میں کھیتی کٹنے کے بعد اضافہ کرے تو یہ بھی جائز نہیں۔

فـإن كان البذر من صاحب الأرض، فزاد فى حصة المزارع بعد الحصاد فالحكم أنه لاتجوز الزيادة من المالك۔ (ايضًا)

[۵] اگر اسی صورت میں کاشتکار زمیندار کے لیے اضافہ کرنا چاہے تو یہ جائز ہے۔

وتجوز الزيادة من المزارع لأنها حط من الأجرة المستحقة له. (أيضًا)

مزارعتِ فاسدہ کے احکام

مزارعتِ فاسدہ کی مختلف صورتوں کے احکام متعدد انواع پر مشتمل ہیں۔

اوّلاً کاشتکار پر مزارعت کا کام واجب نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس پر عملِ مزارعت کا وجوب عقد کی وجہ سے تھا اور جب عقد ہی صحیح نہیں ہوا تو اس پر عمل بھی واجب نہ ہوگا۔

أنـه لا يـجـب على المزارع شئ من أعمال المزارعة لأن وجوبه بالعقد ولم يصح. (بدائع:٢٦٥/٥)

ساری پیداوار بیج والے کی ہوگی چاہے بیج والا زمیندار ہو یا کاشتکار۔ کیوں کہ ساری پیداوار کا مدار بیج پر ہے کہ اس کے بغیر پیداوار متصور نہیں ہوسکتی۔ اور یہ ساری بڑھوتری اسی کے مملوکہ بیج کی ہے اور بیج والا اپنے بیج کی وجہ سے پیداوار کا مستحق ہوتا ہے نہ کہ شرط کی وجہ سے اور یہاں عقد کے فاسد ہوجانے کی وجہ سے شرط باقی نہ رہی اس لیے یہ اپنے مملوکہ بیج کی بڑھوتری کا مالک ہوگا۔

أن الخارج يكون كله لصاحب البذر سواء كان رب الأرض أو المزارع. لأن استحقاق صاحب البذر الخارج لكونه نماء ملكه لا بالشرط. لوقوع الاستغناء بالملك عن الشرط واستحقاق الأجر الخارج بالشرط وهو العقد فإذا لم يصح استحقه صاحب الملك (أيضاً)

الغرض ساری پیداوار بیج والے کی ہوگی۔

اگر یہ بیج والا خود مالکِ زمین ہے تو اس کے حق میں ساری پیداوار حلال وطیب ہوگی، کیوں کہ اسی کی زمین اور بیج کی بڑھوتری ہے۔صرف اس کے ذمہ کاشتکار کی مزدوری واجب ہوگی۔گویا اس نے کاشتکار کو بطورِ اجارہ مزدوری پر لیا۔

اور اگر بیج کاشتکار کے ہو تو اس کے ذمہ زمین کا معروف کرایہ واجب ہوگا اور اس کے لیے ساری پیداوار میں سے اپنے بیج کے بقدر اور زمین کے معروف کرایہ کے بقدر ہی حلال وطیب ہوگا، مابقی پیداوار کا صدقہ کرنا واجب ہوگا، کیوں کہ یہ (مابقی) دوسری کی زمین سے فاسد عقد کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے۔

اور بیج زمیندار کے ہونے کی صورت میں کاشتکار کو اپنے عمل کے عوض اجرتِ مثل (دستور کے موافق مزدوری) ملے گی اور بیج کاشتکار کے ہونے کی صورت میں زمیندار کو اس کی زمین کے عوض اجرتِ مثل ملے گی۔(یعنی موافقِ دستور زمین کا کرایہ ملے گا۔)

اجرتِ مثل کی تحدید

اجرتِ مثل عقد میں بیان کردہ شرط کے بقدر ملے گی یا کم وبیش؟

اس سلسلے میں شیخینؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے۔شیخینؒ کے یہاں اجرتِ مثل ملے گی، جو اجرت مسمی سے زیادہ نہ ہوگی۔کیوں کہ عاقدین اس پر رضامند ہو چکے ہیں۔اور امام محمدؒ کے یہاں پوری اجرتِ مثل دی جائے گی چاہے وہ مشروط مقدار سے زیادہ ہو۔کیوں کہ زمیندار نے یا کاشتکار نے جو (عامل یا زمین کے) منافع حاصل کیے ہیں ان کو بعینہ واپس کرنا دشوار ہے اس لیے زمیندار (اس کے بیج

ہونے کی صورت میں) عامل کو اس کے عمل کے عوض میں پوری قیمت (مزدوری) دے گا، اور کاشتکار (اس کے بیج ہونے کی صورت میں) زمیندار کو اس کی زمین کے عوض میں پوری قیمت (کرایہ) دے گا۔

وإذا فسدت فالخارج لصاحب البذر ......ولو كان البذر من قبل رب الأرض فللعامل أجر مثله لا يزاد على مقدار ما شرط له لأنه رضى بسقوط الزيادة وهذا عند أبى حنيفةؒ وأبى يوسفؒ وقال محمدؒ: له أجر مثله بالغاً ما بلغ لانه استوفىٰ منافعه بعقدٍ فاسدٍ فيجب عليه قيمتها إذ لا مثل لها وقد مرّفى الإجارات . وإن كان من قبل العامل فلصاحب الأرض أجر مثل أرضه لأنه استوفى منافع الأرض بعقد فاسد فيجب ردّها وقد تعذّر ولا مثل لها فيجب ردُّ قيمتها .

(ہدایہ:۱۰۸/۷)

اور اگر زمیندار کی طرف سے بیل بھی مشروط ہو تو زمیندار کو اپنی زمین کی اجرتِ مثل کے ساتھ ساتھ بیل کی بھی اجرتِ مثل ملے گی، کیوں کہ بیل کو بھی اجارہ پر دیا جاتا ہے۔

ولو جمع بين الأرض والبقرحتىٰ فسدت المزارعة فعلى العامل أجر مثل الأرض والبقر هو الصحيح، لأن له مدخلاً فى الإجارة وهى إجارةٌ معنىً. (هدايه:۱۰۸/۷)

عامل کی جانب سے اگر بیل ہو تو، اس کو بیل کی اجرتِ مثل ملے گی یا نہ؟

چوں کہ بیل عامل کی جانب میں اس کے عمل کے تابع ہوتا ہے، مقصود نہیں ہوتا، لہٰذا

اس کو بیل کی اجرت مثل نہ ملے گی۔از: راقم۔

مسئلہ: مزارعتِ فاسدہ میں سب پیداوار بیج والے کی ہوگی اور دوسرے شخص کو اگر وہ زمین والا ہے تو زمین کا کرایہ موافقِ دستور ملے گا۔اور اگر وہ کاشتکار ہے تو مزدوری موافقِ دستور ملے گی؛ مگر یہ مزدوری اور کرایہ اس قدر سے زیادہ نہ دیا جاوے گا جو آپس میں دونوں کے ٹھہر چکا تھا یعنی اگر مثلاً بالمناصفۃ مزارعت ٹھیری تھی (یعنی پیداوار میں آدھا آدھا حصہ دونوں کا طے ہوا تھا) تو کل پیداوار سے نصف سے زیادہ نہ دیا جاوے گا۔(صفائی معاملات:۳۴)

یاد رہے کہ مزارعتِ فاسدہ میں اجرتِ مثل کا وجوب اسی وقت ہوگا جب کہ زمین کا استعمال پایا گیا ہو،صرف تخلیہ کافی نہ ہوگا۔اسی لیے اگر کاشتکار نے زمین کا استعمال کیا ہو اور پھر کسی وجہ سے اس میں کچھ بھی پیداوار نہ ہوئی ہو تب بھی وہ اپنے عمل کی معروف مزدوری کا مستحق ہوتا ہے؛ کیوں کہ مزارعتِ فاسدہ اجارۂ محض کے حکم میں ہوتی ہے اور اجارۂ فاسدہ میں اجرت مثل کا وجوب،کرایہ پر لی ہوئی چیز کے استعمال کے بعد ہوتا ہے،ویسے ہی یہاں پر بھی استعمال کے بعد ہی اجرتِ مثل کا وجوب ہوتا ہے۔

إن أجر المثل لايجب فى المزارعةالفاسدة ما لم يوجد استعمال الأرض، لأن المزارعة عقد إجارة والأجرة فى الإجارة الفاسدة لا تجب إلا بحقيقة الاستعمال.(بدائع:٢٦٦/٥).

اخراجات اور مصارف کے احکام

عقدِ مزارعت میں کون سا عمل کس کے ذمہ ہوگا اور کون سا خرچ کس حساب سے کس پر ہوگا؟ اور کاشتکار پر یا زمیندار پر بوقتِ عقد کس عمل کے شرط کرنے سے عقد فاسد ہوگا؟ اس سلسلے میں اوّلاً یہ دیکھا جائے گا کہ کون سا عمل عملِ مزارعت ہے اور کون سا عمل عملِ مزارعت نہیں ہے؟

کیوں کہ عقدِ مزارعت میں زمیندار پر یا کاشتکار پر کسی ایسے عمل کی شرط لگائی جائے جو عملِ مزارعت سے نہ ہو تو عقد فاسد ہو جاتا ہے۔

الأصل فی هذا النوع أنه إذا شرط فی المزارعة علی المزارع أوعلی رب الأرض ما لیس من أعمال المزارعة یفسد به المزارعة.

۲۷۱۳۲: وإذا شرط فیها ما کان من أعمال المزارعة لاتفسد المزارعة. (الفتاویٰ التاتارخانیة؛ زکریا: ۲۵٤/۱۷)

عملِ مزارعت اور غیر عملِ مزارعت کی تفصیل یہ ہے کہ

ہر وہ کام جو پیداوار کو اُگانے اور اس کو بڑھانے میں دخیل ومؤثر ہو وہ عملِ مزارعت ہے اور جو کام اس قسم کا نہ ہو وہ اعمالِ مزارعت میں سے نہیں ہے۔

وعمل المزارعة ماینبت وینمی فی الخارج، ومالا ینبت ولاینمی فی الخارج فهو لیس من أعمال المزارعة۔ (خلاصة الفتاویٰ: ۱۹۲/٤)

بابِ مزارعت میں مختلف اوقات میں مختلف اعمال کی ضرورت پیش آتی ہے، کچھ اعمال کھیتی کی تیاری کے لیے (زمین ہموار کرنے، دانے لے جانے وغیرہ

کام) ہوتے ہیں، دیگر کچھ اعمال کھیتی کو عمدہ بنانے سے متعلق ہوتے ہیں اور پھر کھیتی پکنے کے بعد اور تقسیم سے پہلے کچھ اعمال درکار ہوتے ہیں اور آخر تقسیم کے بعد کچھ اعمال درپیش ہوتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ چند اور باتیں بھی قابلِ توجہ ہیں

منجملہ ایک یہ ہے کہ کاشتکار کب تک اس مزارعت کے معاہدے کا پابند رہتا ہے؟ اس کی وضاحت اور تعیین ہونا ضروری ہے؛ کیوں کہ کھیتی پختہ ہونے سے پہلے اگر مقررہ مدت ختم ہو جاتی ہے تو بھی کاشتکار معاہدے کا پابند نہیں رہتا۔ اسی طرح مدت پوری ہونے سے پہلے کھیتی تیار ہو جانے سے بھی کاشتکار معاہدے کا پابند نہیں رہتا۔ حتّٰی کہ اسے عمدہ بنانے کا بھی پابند نہیں رہتا۔

اور اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ جو کام کھیتی کی تیاری کے لیے ضروری ہے اور وہ عقدِ مزارعت کے تقاضہ کے مطابق ہے تو ان کا شرط کرنا، نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ایسے اعمال عقد میں خود عقد کے تقاضہ سے ہی بغیر شرط کئے لازم ومشروط ہو جاتے ہیں خواہ وہ شرط کئے جائیں یا نہ کئے جائیں۔

البتہ جو کام کھیتی کی تیاری کے لیے ضروری نہیں ہے بلکہ کھیتی کی عمدگی سے متعلق ہے اور عقد ان کا تقاضہ نہیں کرتا وہ کام شرط کرنے سے لازم ہوں گے، بغیر شرط کئے لازم نہ ہوں گے۔

الأصل أن كل عمل لابد للمزارع منه لتحصيل الزرع المرغوب فيه من الأرض المدفوعة إليه فإن المزارع يجبر عليه سواء كان ذلك

مشروطاً فی العقد أو لم یکن کالسقی والتبذیر وکل عمل للمزارع منه بدّ فی تحصیل الزرع إلا أنه هی عمل یزید فی جودة الخارج إن کان ذلك مشروطاً فی عقد المزارعة یجبر علیه وإن لم یکن مشروطاً لا یجبر. (خلاصة الفتاوی: ۱۹۶/٤)

اسی طرح عقدِ مزارعت کسی وجہ سے فاسد ہوجانے سے بھی کاشتکار معاہدے کا پابند نہیں رہتا۔

نیز کھیتی کے پختہ ہونے سے پہلے کسی وجہ سے عقد فسخ ہوجانے سے بھی کاشتکار معاہدے کا پابند نہیں رہتا۔

یاد رہے کہ زمین کو جوتنا، پانی سے سیراب کرنا اور کھاد ڈالنا، ایسے امور ہیں کہ بعض مرتبہ عملِ مزارعت میں شمار ہوتے ہیں کہ ان کے بغیر کھیتی کا حصول ممکن نہیں ہوتا اور بعض اوقات عملِ مزارعت سے شمار نہیں ہوتے، بایں طور کہ ان کے بغیر مقصود کھیتی حاصل ہوجاتی ہے؛ البتہ ان سے کھیتی میں عمدگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے فقہاء کبھی یہ کام کاشتکار پر لازم کرتے ہیں اور کبھی لازم نہیں کرتے۔ اسی طرح بہت سے اعمال ظاہر الروایۃ کے اعتبار سے دونوں کے ذمہ ہوتے ہیں؛ مگر امام ابو یوسفؒ نے تعاملِ ناس اور عرف کی وجہ سے کاشتکار کے ذمہ قرار دیے ہیں۔

اب بابِ مزارعت سے متعلق اعمال کی اقسام درج کی جاتی ہے۔

ازقبیل مزارعت اعمال کی تین قسمیں.

صاحبِ ہدایہ علامہ مرغینانیؒ نے اعمالِ مزارعت کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

(۱) ہر وہ کام جو کھیتی پکنے سے پہلے ہو وہ کاشتکار کے ذمہ ہوں گے۔

أن ما كان من عملٍ قبل الإدراك كالسقي و الحفظ فهو على العامل. (الهداية: ١١٥/٧)

مثلاً: حسبِ ضرورت کھیت کو سیراب کرنا اور کھیت کی حفاظت کرنا وغیرہ، چاہے کاشتکار یہ کام خود کرے یا اپنی طرف سے مزدوری دے کر دوسرے سے کام لے۔ (از عین الہدایہ)

مسئلہ: جائز ہے کہ مزارع شریک خود عمل کرے یا اپنے صَرف سے کسی اور کو اس کا ذمہ دار بنا دے۔ (عطر ہدایہ: ۱۲۱، ۱۲۲)

البتہ اگر کھیتی پکنے سے پہلے مزارعت کی طے شدہ مدت ختم ہوگئی تو اب کاشتکاران کاموں کا پابند نہ رہے گا، اب مال مشترک ہونے کی وجہ سے باقی کام دونوں کے ذمہ ہوں گے اور کاشتکار اپنے حصہ کے بقدر زمین کی اجرتِ مثل یعنی معروف کرایہ کا ضامن ہوگا۔

قال و إذا انقضت مدة المزارعة ، و الزرع لم يدرك، كان على المزارع أجر مثل نصيبه من الأرض إلى أن يستحصد، و النقفة على الزرع عليهما على مقدار حقوقهما ، معناه حتى يستحصد ، لأن في تبقية الزرع بأجر المثل تعديل النظر من الجانبين فيصار إليه و إنما كان العمل عليهما لأن العقد قد انتهىٰ بانتهاء المدة، و هذا عملٌ في المال المشترك. (الهدايه) وفي حاشيته: فيكون العمل عليهما وهو قبل انتهاء المدة كان على العامل خاصةً فالعمل بعد الانتهاء يكون

باعتبار الشركة فی الزرع. (هدايه:۱۱۲/۷)

زمین جوتنے، سینچائی کرنے، اور کھاد ڈالنے سے متعلق تفصیلی وضاحت عنقریب آرہی ہے۔

(۲) اور ہر وہ کام جو کھیتی پکنے کے بعد، پیداوار تقسیم کرنے سے پہلے کے ہیں وہ ظاہرالروایۃ کے مطابق دونوں کے ذمہ ہوں گے۔ (کیوں کہ اب مال مشترک ہو چکا ہے) مثلاً: کٹائی، گہائی، دانے اور بھوسہ کو علیحدہ کرنے اور اس جیسے دیگر کام چاہے وہ دونوں خود کرے یا کسی دوسرے کے پاس مزدوری سے کرائے۔

البتہ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق اگر معاہدے میں کاشتکار سے ان کاموں کی شرط کرلی تھی تو وہ کاشتکار کے ذمہ ہی ہوں گے۔ امام ابو یوسفؒ کی اس روایت کا مدار عرف پر ہے۔

وما كان منه بعد ادراكٍ قبل القسمة فهو عليهما فی ظاهر الرواية كالحصاد والدياس وأشباههما على ما بيناه. (هداية) وفی حاشيته؛ روی عن أبی يوسفؒ أنه قال اشتراط هذا على العامل غير مفسدٍ. (هدايه :۱۱۵/۷)

وفی الدر المختار: وصحّ اشتراط العمل كحصاد و دياس و نسف على العامل عند الثانی للتعامل وهو الأصح وعليه الفتوىٰ. ملتقىٰ. (شامی:۴۰۸/۹)

اور اگر یہ کام کاشتکار پر شرط نہ کئے ہوں تو اس وقت یہ کام دونوں پر مشترک

ہوں گے۔

نصر بن یحییؒ اور محمد بن سلمیؒ سے منقول ہے کہ کاشتکار پر یہ کام شرط کرنا نہ کرنا عرف کی وجہ سے ہے۔ اور علامہ سرخسیؒ سے منقول ہے کہ ہمارے علاقے میں بھی یہی صحیح ہے، اور اگر ان میں سے کوئی کام زمیندار پر شرط کیا جائے تو عقد فاسد ہو جائے گا، کیوں کہ اس کا کوئی عرف نہیں ہے۔

قال في الخانية: لكن إن لم يشترط يكون عليهما.........وعن نصر بن يحييؒ ومحمدبن سلميؒ أن هذا كله على العامل شرط عليه أم لا للعرف. قال السرخسيؒ : وهو الصحيح في ديارنا أيضاً، وإن شرطا من ذلك على رب الأرض فسد العقد عندالكل لعدم العرف. اه. (شامي: ٤٠٨/٩)

(۳) اور ہر وہ کام جو تقسیم کے بعد کے ہو مثلاً غلہ کو لے جانا، پیسنا وغیرہ یہ کام بالاتفاق دونوں کے ذمہ ہوں گے۔ وما كان بعد القسمة فهو عليهما. (هدايه : ١١٥/٧)

البتہ مشائخِ بلخ کے نزدیک اگر معاہدہ کے وقت کاشتکار پر ان کی شرط کر لی ہو تو جائز ہے۔ (از عین الہدایہ: ۷-۵۴۰)

مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق جن صورتوں میں جو کام جس کے ذمہ ہیں، وہ اگر دوسرے پر شرط کر دیے جائے یا کسی ایک ہی کے ذمہ تمام شرط کر دیا جائے اور وہ عقد کے تقاضہ کے خلاف ہو تو وہ عقد مزارعت کے لیے مفسد ہوگا۔

مگر چوں کہ فساد وصحت کے ان مسائل کا مدار جیسا کہ عبارات فقہاء سے

معلوم ہوا، عرف پر ہے؛ لہٰذا فساد وصحت کے حکم لگانے سے پہلے عرف ضرور دیکھ لیا جائے۔

☆ نہریں کھودنا، نالیوں کی درستگی کرنا وغیرہ اگر کاشتکار پر شرط کیا ہے تو عقد فاسد ہوگا، چاہے بیج کسی کے بھی ہوں، اور اگر زمیندار پر شرط کیا ہے تو عقد درست ہوگا۔

ولو شرط كرى الأنهار واصلاح المسنيات على أحدهما ، إن شرط على المزارع، المزارعة فاسدة، سواء كان البذر منه أو من رب الأرض وجميع الخارج للمزارع إن كان البذر منه وللمزارع أجر مثل عمله في كرى الأنهار و اصلاح المسنيات ولو شرط على رب الأرض جاز من أيهما كان البذر (خلاصة الفتاوى:١٩٢/٤)

نہریں کھدوانا جس سے زمین کی سینچائی کی جائے زمیندار کے ذمہ ہے۔ اسی طرح اس کی نالیوں کی اصلاح کرنا بھی زمیندار کے ذمہ ہے؛ (چاہے وہ زمین اس کے پاس کرایہ کی ہی کیوں نہ ہو) ان نالیوں میں پانی جاری کرنا بھی زمیندار ہی کے ذمہ ہے۔

بعض مشائخ سے منقول ہے کہ بڑی نالیوں سے چھوٹی نالیاں کھولنا کاشتکار کے ذمہ ہے؛ لیکن جب یہ کام کاشتکار پر متعذر ہوجائے یا وہ نالیاں ایسی جگہ پر ہیں کہ جہاں ظالمین اسے پانی سے روکتے ہو اس وقت چھوٹی نالیوں میں پانی داخل کرنا بھی زمیندار کے ذمہ ہوگا۔

(محیط:۹: ۱۸۳۷۹، ۱۸۳۸۰، تاتارخانیہ: ۲۷۱۳۹، ۲۷۱۴۳، ۲۷۱۴۴)

لیکن اگر نہریں کھودے بغیر اور نالیوں کی درستگی کے بغیر، اسی طرح حسبِ ضرورت پانی سے سیراب کئے بغیر اور ضروری کھاد ڈالے بغیر مقصود کھیتی ممکن نہ ہو تو اس وقت یہ کام ضرورت کے بقدر (یعنی اس طرح کہ ان کے منافع مدتِ مزارعت کے بعد بھی باقی نہ رہے اس قدر) کاشتکار پر لازم ہوں گے۔

ومن استأجر أرضاً على أن يكربها و يزرعها و يسقيها فهو جائز لأن الزراعة مستحقة بالعقد ولا يتأتى الزراعة إلا بالسقى والكراب فكان كل واحد منهما مستحقا وكل شرط هذه صفته يكون من مقتضيات العقد فذكره لا يوجب الفساد.....وليس المراد بكرى الأنهار الجداول بل المراد منها الأنهار العظام هو الصحيح لأنه يبقى منفعته فى العام القابل (هدايه، كتاب الإجاره : ٦-٣٠٦)

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

اصل یہ ہے کہ ہر وہ عمل جس کی کھیتی کو پختہ ہونے اور خشک ہونے سے پہلے ضرورت پڑے اور جو کھیتی کی اصلاح کے لیے ضروری ہو مثلاً حسبِ ضرورت سینچائی، کھیتی کی حفاظت، خودرو گھاس کو اکھیڑنا اور نہریں کھدوانا اور نالیوں کی اصلاح کرنا وغیرہ کاشتکار پر ہوگی۔

والأصل أن كل عملٍ يحتاج إليه الزرع قبل تناهيه و ادراكه و جفافه مما يرجع إلى إصلاحه من السقى والحفظ وقلع الحشاوة و حفر الأنهار و تسوية المسناة و نحوها فعلىٰ المزارع لأن ما هو المقصود من الزرع وهو النماء لايحصل بدونه عادةً فكان من توابع المعقود

عليه فكان من عمل المزارعة فيكون على المزارع (بدائع:۲٦۲/۵)

☆ کیا زمین کی جوتائی کاشتکار پر لازم ہوگی؟ اس سلسلے میں مزارعت کو فاسد کرنے والی ایک شرط کو دھیان میں رکھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ کاشتکار پر ایسا عمل لازم کیا جائے جس کا اثر اور فائدہ مدتِ مزارعت کے ختم ہونے کے بعد بھی باقی رہے تو یہ شرط فاسد ہے۔

ومنها أن يشترط صاحب الأرض على المزارع عملاً يبقى أثره ومنفعته بعد مدة المزارعة. (بدائع:۲٦۳/۵)

زمین کو جوتنا بھی ایک ایسا عمل ہے کہ جس کا اثر ونفع مدتِ مزارعت کے بعد بھی باقی رہ سکتا ہے، اس لحاظ سے جوتنا عملِ مزارعت میں شمار نہ ہوگا۔ نیز جوتائی کا عمل زمین میں بیج ڈالنے سے پہلے ہوتا ہے، اور بسا اوقات کھیتی کٹنے کے بعد بھی ہوتا ہے، بیج ڈالنے سے پہلے جو جوتائی ہوتی ہے اس سے عقدِ مزارعت کی ابتداء بھی معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو کاشتکار پر شرط کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

اوّلاً دیکھا جائے گا کہ عاقدین نے بوقتِ عقد اس کی کوئی تصریح کی تھی یا نہیں؟

وأما الكراب فلا يخلو في الأصل من وجهين إمّا أن شرطاه في العقد وإما إن سكتا عنه. (بدائع:۲٦۳/۵)

اگر اس سلسلے میں کوئی بات نہ ہوئی ہو اور زمین ایسی ہے کہ بغیر جوتائی کئے بھی اس میں معروف کھیتی ہوتی ہے تو اس وقت عامل کو جوتائی کرنے پر مجبور نہیں کیا

جائے گا۔

وإن سكتاعنه ينظر إن كانت الأرض مما يخرج الزرع بدون الكراب زرعاً معتاداً يقصد مثله في عرف الناس، لا يجبر المزارع عليه. (بدائع: ٥/٢٦٤)

اور اگر زمین ایسی ہے کہ جوتائی کئے بغیر اس میں کھیتی ہوتی ہی نہیں یا اگر کھیتی ہوتی ہے، مگر جیسی اُگنی چاہیے ایسی (معروف) کھیتی ہوتی نہیں تو اس وقت کاشتکار کو زمین جوتنے پر مجبور کیا جائے گا؛ کیوں کہ مطلق عقدِ مزارعت معروف کھیتی پر ہی واقع ہوتا ہے۔

وإن كانت مما لايخرج أصلاً أو يخرج ولكن شيئاً قليلاً لا يقصد مثله بالعمل يجبر على الكراب لأن مطلق عقد المزارعة يقع على الزراعة المعتادة. (أيضاً)

اگر بوقتِ عقد جوتائی کی شرط ہوئی ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) مطلق جوتائی کی شرط ہوئی ہو، تثنیہ کی قید کے بغیر۔

(تثنیہ کہتے ہے: زمین کو دو مرتبہ جوتنا ایک مرتبہ کھیتی کے لیے ابتداء میں اور پھر کھیتی کاٹنے کے بعد جوتی ہوئی زمین واپس کرنا یا پہلے ہی مرحلے میں ایک سے زیادہ مرتبہ جوتنا تاکہ پیداوار اچھی حاصل ہو سکے۔)

اس سلسلے میں بعض کی رائے یہ ہے کہ مطلق جوتائی شرط کی ہو اس وقت بھی عقد فاسد ہو جائے گا؛ کیوں کہ جوتائی کا اثر مدتِ مزارعت کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ جب کہ عام فقہاء کی رائے جو صحیح بھی ہے وہ یہ ہے کہ مطلق جوتائی کی شرط

مفسدِ عقد نہیں ہے کیوں کہ صفتِ تثنیہ کے بغیر جوتائی ایسی ہے کہ پانی کی سیرابی اس کے اثر کو ختم کر دیتی ہے اس لیے اس شرط سے عقد فاسد نہ ہوگا۔

فإن شرطاه مطلقًا عن الصفة قال بعضهم أنه يفسد العقد لأن أثره يبقى إلى ما بعد المدة. وقال عامتهم لا يفسد وهو الصحيح۔ (بدائع:٥/٢٦٣)

(۲) اور اگر صفتِ تثنیہ کی قید کے ساتھ جوتائی شرط کی ہو تو عقد فاسد ہو جائے گا؛ کیوں کہ یہ ایک ایسی شرط ہے کہ اس کا فائدہ اور اثر مزارعت کی مدت کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔

وإن شرطاه مع التثنية فسدت المزارعة۔ (بدائع:٥/٢٦٣)

بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ تثنیہ سے مراد مالک زمین کو جوتی ہوئی زمین واپس کرنا ہے، ایسی صورت میں عقد بالیقین فاسد ہوگا، دیگر بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ تثنیہ سے مراد دو مرتبہ جوت کر کھیتی کرنا ہے، ایسی صورت میں فساد اس وقت ہوگا جب کہ کھیتی ایک بار جوتنے سے ہو جاتی ہو اور عقد بھی ایک ہی سال کے لیے ہو، ایسی صورت میں اگر عقد تین سال کے لیے ہوا ہو تو اس تثنیہ کی منفعت عقد کے بعد باقی نہ رہنے کی وجہ سے عقد فاسد نہ ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

فإن شرط أن يثنيها أو يكرى أنهارها أو يسرقنها فهو فاسد لأنه يبقى أثره بعد انقضاء المدة وأنه ليس من مقتضيات العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين وما هذا حاله يوجب الفساد. ثم قيل المراد بالتثنية

أن يردها مكروبة ولا شبهة فى فساده ، وقيل أن يكربها مرتين وهذا فى موضع يخرج الأرض الريع بالكراب مرة والمدة سنة واحدة وإن كانت ثلث سنين لا يبقى منفعته . هدايه : ٦ -٦ ٠ ٣)

بیج کاشتکار کے ہونے کے صورت میں زمین جوتنا زمیندار پر شرط کرنا بھی مفسدِ عقد ہے۔

ولو شرط فى عقد المزارعة كراب الأرض على أحدهما إن شرط على المزارع جاز من أيهما كان البذر ولو شرط على رب الأرض إن كان البذر من قبل المزارع فالمزارعة فاسدة لأنه شرط بعض العمل عليه فيمنع التخلية. (خلاصة الفتاوىٰ: ١٩٢/٤)

مسئلہ: ایک شخص نے کسی کو زمین اس شرط پر دی کہ بیج میں دوں گا، محنت اور جوتنا (ہل چلانا) تیرے ذمہ ہوگا؛ لیکن اگر تو نے صرف ایک مرتبہ ہل چلا کر بیج ڈالے تو پیداوار میں تیرا ایک ربع (۱/۴) حصہ ہوگا اور اگر دو دفعہ ہل چلا کر بیج ڈالے تو تیرا حصہ ایک ثلث (۱/۳) ہوگا اور اگر ساتھ میں وقت پر پانی دیتا رہا اور بارش کا انتظار نہیں کیا تو تیرا حصہ نصف (۱/۲) ہوگا۔ کاشتکار نے یہ شرائط قبول کرلیا تو یہ عقد صحیح ہے اور جس شرط پر عمل کرے گا اس اعتبار سے وہ پیداوار میں شریک ہوگا۔ (مستفاد از تفہیم الاحکام: ۳۶۰/۲ تا ۳۶۷)

☆ سینچائی کے متعلق بھی وہی تفصیل ہے جو جوتائی کے متعلق ہے۔

چنانچہ اگر کاشتکار زمین سیراب کرنے سے انکار کردے اور کہے کہ بارش ہوگی تو اس کے بعد میں کھیتی کروں گا تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ زمین ایسی ہے کہ

اس میں بارش کے پانی سے اکتفاء کرلیا جاتا ہے اور سینچائی کے بغیر معروف کھیتی ہو جاتی ہے تو کاشتکار کو سینچائی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

وعلى هذا امتنع المزارع عن السقي وقال : أدَعها حتّٰى تسقيها السماء فهو على هذا التفصيل، إنه إن كان الزرع مما يكتفي بماء السماء ويخرج زرعاً معتاداً بدونه لا يجبر على السقي وإن كان مع السقي أجود فإن كان مما لا يكتفي به يجبر على السقي لما قلنا. (بدائع:٥/٢٦٥)

☆ کھاد ڈالنا بھی ایک ایسا عمل ہے کہ اس کا اثر و نفع مدتِ مزارعت کے ختم کے بعد باقی رہ سکتا ہے، اس صورت میں کاشتکار کے ذمہ لازم کرنا بھی مفسدِ عقد ہوگا۔

کھاد ڈالنا چوں کہ جوتائی اور کھیتی سے پہلے کا عمل ہے اور جوتائی بھی کھیتی کے عمل سے پہلے کا عمل ہے، جب کہ وہ فریق جس کے بیج نہیں ہے اس کے حق میں بیج ڈالنے کے بعد عقد مزارعت لازم ہوتا ہے، اس لیے مزارعت کی ابتداء بھی اس کے بعد سے شمار کی جاتی ہے۔

نیز فقہاء نے جوتائی کی طرح کھاد ڈالنے کو بھی اصلاً عملِ مزارعت شمار نہیں کیا اور بعض اوقات اسے عملِ مزارعت شمار کیا ہے۔ اسی لیے اگر عقد کے وقت کھاد ڈالنے اور جوتائی کی تصریح نہ ہونے سے بھی عقد پر اثر نہیں پڑتا اور عقد درست شمار کیا ہے۔

کھاد ڈالنا اگر مقصودِ عقد یعنی کھیتی کے حصول کے لیے ضروری ہو تو یہ لازماً

عمل مزارعت ہوا، اور مزارع پر ضروری ہوگا۔ اسی طرح اگر کھاد کا اثر دوسری فصل تک باقی نہ رہتا ہو یا اثر باقی رہتا ہو مگر عقد مزارعت بھی اسی قدر طویل مدت کا ہے، تو کاشت کار پر کھاد ڈالنے کی شرط لگانا مفسد عقد نہ ہوگا۔

اس کے علاوہ صورتوں میں کھاد ڈالنے کی شرط مفسدِ عقد ہوگی، تفصیل اس کی حسبِ ذیل ہے۔

(ا) سرقین (کھاد) ڈالنا کاشتکار پر شرط کرنا مفسد عقد ہے۔ (چاہے بیج کسی کے بھی ہو۔)

اگر بیج کاشتکار کے ہیں تو اس لیے کہ اس پر ایسے عمل کی شرط کی ہے کہ اس کا اثر مدت کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اس پر ایک ایسا عمل شرط کیا جا رہا ہے جو عقد کے تقاضہ کے خلاف ہے۔

لأنـه إن شـرط ذلك عـلـى العامل فقد شرط عليه ما تبقى منفعته فـی الأرض بـعد مضي مدة المزارعة. وشرط عليه إتلاف عين مال لا يقتضيه عقد المزارعة وذلك مفسد للعقد .(المبسوط:۲۳/۸۱)

اس صورت میں عقد فاسد ہوگا اور ساری پیداوار کاشتکار کی ہوگی اور کاشتکار کے ذمہ پوری زمین کی اجرتِ مثل ہوگی۔ اور کاشتکار نے جو کھاد ڈالی ہے اس کی قیمت میں زمیندار ضامن نہ ہوگا۔

ولـو شـرطـا عـلـى أحدهما اِلقاءِ السرقين إن شرط على المزارع فـالمزارعة فاسدة من أيهما كان البذر والخارج كله للمزارع إن كان البـذر مـنـه وعليه أجر مثل الأرض ولا يغرم ربُّ الأرض شيئاً للمزارع

من قيمة السرقين الذى طرحه فى الارض.(خلاصة الفتاوى:١٩٢/٤)

(۲) اگر بیج زمیندار کے ہو اور کاشتکار پر کھاد ڈالنا شرط ہوا ہو تو اس وقت بھی عقد فاسد ہو جائے گا۔

لأنهما شرطا على العامل ما تبقى منفعتة بعد مضي مدة المزارعة. (المبسوط:٨٢/٢٣)

اس صورت میں ساری پیداوار زمیندار کی ہوگی اور زمیندار، کاشتکار کے لیے اس کے عمل کی اجرتِ مثل کا اور کھاد ڈالنے کا دونوں کا ضامن ہوگا۔

وإن كان البذر من رب الأرض فالخارج له وعليه أجر مثل عمل المزارع فى أرضه وقيمة ماطرح من السرقين.(خلاصة الفتاوى:١٩٢/٤)

(۳) اور اگر کھاد ڈالنا زمیندار پر شرط کیا جائے اور بیج کاشتکار کے ہو تو یہ بھی مفسد عقد ہے۔

لأن هذا من عمل الزارعة فاشتراطه على رب الأرض يكون مفسداً للعقد. (مبسوط: ٨١/٢٣)

اس صورت میں ساری پیداوار کاشتکار کی ہوگی اور کاشتکار، پوری زمین کی اجرت اور کھاد کی قیمت کا زمیندار کے لیے ضامن ہوگا۔

وإن شرط السرقين على رب الأرض إن كان البذر من المزارع فالمزارعة فاسدة والخارج للمزارع وعليه مثل أجر الأرض وقيمة السرقين. (خلاصةالفتاوىٰ:١٩٢/٤)

(۴) اور اگر بیج زمیندار ہی کے ہو تو زمیندار پر کھاد کی شرط لگانا درست ہے

لأن إلقاء السرقين والعذرة فی الأرض يكون قبل الزراعة وقبل الكراب أيضاً، وإن لزم العقد فی جانب صاحب البذرعند إلقاء البذر فی الأرض فكأنه استأجره للعمل بنصف الخارج بعد ما فرغ من إلقاء العذرة والسرقين. (مبسوط:٨٢/٢٣)

وإن كان البذر من رب الأرض فالمزارعة جائزة. (خلاصة الفتاوی:١٩٢/٤)

مذکورہ بالا چار صورتوں میں سے پہلی تین صورتوں میں عقد فاسد اور چوتھی صورت میں عقد درست ہوگا؛ لیکن صاحب خلاصۃ الفتاویؒ نے اس کے بعد قاضی امام عبدالواحدؒ سے جو بات نقل کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف تیسری صورت ہی میں عقد فاسد ہوگا ، باقی پہلی ، دوسری اور چوتھی صورت میں عقد فاسد نہ ہوگا۔قاضی عبدالواحد فرماتے ہیں:

اگر کاشتکار پر کھاد ڈالنا شرط کیا جائے تو بہر حال عقد درست ہوگا چاہے بیج کسی کے بھی ہو؛ البتہ زمیندار پر کھاد ڈالنا اسی وقت درست ہوگا جب کہ بیج بھی اس کے ہو،لہٰذا اگر بیج کاشتکار کے ہونے کی صورت میں کھاد ڈالنا زمیندار پر شرط کیا تو عقد فاسد ہوجائے گا؛ جیسا کہ اگر بیج کاشتکار کے ہونے کی صورت میں جوتائی زمیندار پر شرط کرنا مفسدِ عقد ہے۔

وحكی عن القاضی الإمام عبدالواحدؒ أنه قال وإن شرط علی المزارع جاز من أيهما كان البذر وإن شرط علی رب الأرض إن كان البذر من العامل لا يجوز كما شرط الكراب علی رب الأرض والبذر

من المزارع وإن كان البذر من رب الأرض يجوز. (خلاصۃ الفتاوی:۱۹۲/۴)
کھاد زمیندار کی ہو لیکن ڈالنا زمیندار پر مشروط ہو تو یہ جائز ہے چاہے بیج کسی کے ہو۔

وإن شرط أحدهما على الأخر إلقاء السرقين في الأرض من سرقين رب الأرض كما هو المعروف في بلادنا لم يذكرمحمدؒ هذا الفصل في الكتاب وحكي عن الشيخ الإمام الزاهد عبدالواحدؒ أنه يقول: وإذا شرط ذلك على المزارع، فالمزارعة جائزة من أيهما كان البذر. (الفتاوى التاتارخانية: ۲۵۸/۱۷، رقم: ۲۷۱٤۷)
لیکن اگر بیج کاشتکار کے ہو اور القاء زمیندار پر شرط کیا ہو تو یہ جائز نہیں۔ (۲۷۱۴۸)

کھاد کی مالیت و قیمت زمیندار و کاشتکار دونوں پر اپنے حصہ کے بقدر ہو گی۔ جیسا کہ صاحبِ بدائعؒ نے تحریر فرمایا ہیں:
بیج اور عملِ مزارعت کے علاوہ دیگر اخراجات دونوں پر اپنے حصہ کے بقدر مشترکہ طور پر واجب ہوں گے۔ مثلاً کھاد ڈالنا اور کھودرَ و گھاس کاٹنا وغیرہ۔

إن كل ما كان من باب النفقة على الزرع من السرقين وقلع الحشاوة ونحو ذلك فعليهما على قدر حقهما. (بدائع:٥/٢٦٤)
مسئلہ: انگریزی کھاد اور دیسی کھاد میں مالیت والے پہلو کو مدنظر رکھا جائے تو دونوں میں فرق نہیں اور عمل والے پہلو کے اعتبار سے دونوں میں صریح فرق موجود ہے؛ وہ بھی دو طریقے سے (۱) دیسی کھاد کا اثر مدتِ زراعت کے ختم ہونے کے

بعد بھی باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہر سال اور ہر فصل میں ڈالنا نہیں پڑتا؛ جبکہ انگریزی کھاد ہر فصل میں ڈالا جاتا ہے۔

(۲) دیسی کھاد کھیتی سے پہلے اور جوتنے سے پہلے ڈالا جاتا ہے جب کہ انگریزی کھاد میں سے ڈی. اے. پی. بیج کے ساتھ ڈالا جاتا ہے اور یوریا کھیتی کے اگنے کے بعد ڈالا جاتا ہے۔ اس تفصیل کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو:

اگر مزارع پر کھاد کی شرط لگانے کا مطلب یہ ہو کہ مالیت بھی اس کی اور ڈالنے کا عمل بھی اس پر، تو پہلی حیثیت (یعنی مالیت) کے تقاضے سے عقدِ مزارعت فاسد ہو جائے گا۔ چاہے بیج کسی کے بھی ہو۔

اور اگر کھاد کی شرط مزارع پر لگانے کا مطلب یہ ہو کہ صرف عمل اس کے ذمہ ہوگا تو اس سے مزارعت فاسد نہ ہوگی۔ (محمود الفتاوی: ۴/۴۹۲)

مسئلہ: مضر حشرات الأرض سے کھیتی کو بچانے کے لیے ڈالے جانے والے پاوڈر کی ذمہ داری بھی مالکِ زمین اور کاشتکار دونوں پر ان کے حصہ کے بقدر ہوگی۔ (ایضاً: ۴/۴۹۴)

مسئلہ: اگر کوئی زمیندار اپنی زمین کسی کاشتکار کی ایک سال یا زیادہ کھیتی باڑی کے لیے دیدے اور اس پر معاملہ مقرر کرلے کہ کھیت میں جتنا دھان ہوگا اس میں سے تہائی حصہ یا نصف حصہ زمیندار کو اور باقی کاشتکار کو ملے گا، مگر نوکر، ہل، خرچ، بیج وغیرہ کا خرچ کاشتکار کے ذمہ ہو، زمیندار اس خرچ کا ذمہ دار نہیں تو یہ معاملہ شرعاً درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۷/۱۷۳)

☆ عاقدین میں سے کسی ایک پر کٹائی، گہائی (پیداوار کو بیل وغیرہ کے

ذریعہ روندنا) غلہ کی صفائی، اس کو اُڑانا اور کھلیان میں پہنچانا شرط کیا گیا تو ظاہر الروایۃ میں عقد فاسد ہو جائے گا، چاہے دانے کسی کے بھی ہو؛ لیکن فتاویٰ نوازل میں فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ امام ابویوسفؒ کے نزدیک ان چیزوں کو (کاشتکار پر) شرط کرنا جائز ہے۔ چنانچہ امام ابویوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر کاشتکار پر کھیتی کاٹنے اور جمع کرنے کی شرط لگائی تو عقد درست ہوگا۔ محمد بن سلمیٰؒ اور نصر بن یحییٰؒ سے بھی کٹائی کی شرط کے ساتھ عقدِ مزارعت کا جواز منقول ہے۔ فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں کسی نے ان کی مخالفت کی ہو یہ میں نہیں جانتا۔ اس لیے ہم انہی کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔

نوادرِ ابن رستم میں ہے کہ اس سلسلے میں ہم امام محمدؒ کے قول کو اختیار نہیں کرتے، امام ابویوسفؒ کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔ (خلاصۃ الفتاویٰ: ۱۹۲/۴)

☆ تنقیہ (غلہ کی صفائی) اور غلہ کو گھر تک لے جانا بھی کٹائی ہی کی طرح ہے۔ (یعنی کاشتکار پر ان کی شرط لگانا جائز ہے) مشائخ بلخ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ (خلاصۃ الفتاوی: ۱۹۶/۴)

الغرض مشترکہ اخراجات عرف وتعامل کی وجہ سے کاشتکار پر لازم کیے جا سکتے ہیں۔

یا دونوں اقوال (ظاہر الروایۃ اور قول امام ابویوسفؒ) کو اس طرح جمع کر سکتے ہیں کہ کٹائی، گہائی، کھلیان میں پہنچانا، زمیندار کے گھر پہنچانا وغیرہ امور، کاشتکار خود کرتا ہو، تو اس کی شرط لگانا عرفاً درست ہوگا اور اس میں مصارف آتے ہوں تو مصارف دونوں کے درمیان مشترک قرار دیے جائیں۔ از: راقم

وہ اسباب جن سے مزارعت فسخ یا ختم ہو جاتی ہے

عموماً عقدِ مزارعت مقصود یعنی کھیتی کے حاصل ہونے ہی سے ختم ہو جاتا ہے؛ لیکن کبھی کھیتی کے حصول سے پہلے کچھ ایسے اسباب پیش آتے ہیں جن کی وجہ سے مزارعت کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ ذیل میں وہ اسباب ذکر کئے جاتے ہیں جن سے عقدِ مزارعت فسخ ہو جاتا ہے؛

(ا) مدت کا ختم ہو جانا :

انقضاء مدة المزارعة لأنها إذا انقضت فقد انتهىٰ العقد وهو معنى الانفساخ. (بدائع: ٢٦٧/٥)

اس کی تفصیلی صورتیں حسبِ ذیل ہیں:

(ا) جب مدتِ مزارعت ختم ہو جائے اور ساتھ ہی کھیتی بھی پک جائے اور عاقدین اتفاق کر کے یا حسبِ وعدہ شرط کے مطابق تقسیم کرلیں تو اس وقت مقصود کھیتی بھی حاصل ہوگئی اور مدت بھی ختم ہوگئی اس لیے کوئی مسئلہ ہی نہیں رہتا۔

إذا انتهت المدة وأدرك الزرع وقسم المتعاقدان الناتج بحسب الاتفاق أو الاشتراط بينهما لم يحدث اِشكال وينتهي العقد حينئذٍ. (الفقه الاسلامی وادلته: ٤٩٦/٥)

(۲) لیکن اگر کھیتی پکنے سے پہلے ہی طے شدہ مدت ختم ہوگئی تو اب کاشتکار عقدِ مزارعت کا پابند نہیں رہے گا، مزارعت کا معاملہ ختم ہو جائے گا۔ اب کھیتی پکنے تک کے سارے اخراجات (مثلاً کھیتی کی حفاظت، سینچائی، نالیوں کی کھدائی، خودرَو

گھاس پھوس کی صفائی وغیرہ کے اخراجات)دونوں کے ذمہ بقدرِ حصص ہوں گے،اس لیے کہ مدت کے ختم ہونے سے کاشتکار عقد کے مطابق واجب ہونے والے اعمال کا پابند نہ رہا اوراب مال مشترک ہوگیا ہے اس لیے اب مالِ مشترک میں کام دونوں کے ذمہ ہیں۔البتہ کاشتکار زمین کی ،مدت کے ختم کے بعد سے کھیتی پکنے تک کی اجرتِ مثلیہ کا ضامن ہوگا۔ یہ عقد باقی رکھنا دونوں کے حقوق کی رعایت کی وجہ سے ہے، اس لیے کہ اگر مدت کے ختم کے بعد کاشتکار کو کچی کھیتی کاٹنے کا حکم دیا جائے تو اس میں کاشتکار کا نقصان ہے اور اگر بغیر کرایہ کے عقد باقی رکھا جائے تو زمیندار کے لیے اس میں نقصان ہے ،اس لیے جانبین کی رعایت کرتے ہوئے ،کاشتکار پر اس کے حصہ کے بقدر کھیتی پکنے تک کا زمین کا معروف کرایہ واجب ہوگا۔

وإذا انقضت مدة المزارعة والزرع لم يدرك :كان على المزارع أجر مثل نصيبه من الأرض الى ان يستحصد، والنفقة على الزرع عليهماعلى قدر حقوقهما، معناه حتى يستحصد لأن فى تبقية الزرع بأجر المثل تعديل النظر من الجانبين فيصار إليه وإنما كان العمل عليهما لأن العقد قد انتهى بانتهاء المدة ، وهذا عمل فى المال المشترك.(هداية: ۱۱۲/۷)

(۲)عاقدین میں سے کسی کی موت واقع ہوجائے۔

وإذا مات أحد المتعاقدين بطلت المزارعة اعتباراً بالإجارة.(هداية: ۱۱۰/۷)

عاقدین کی موت کی تین صورتیں ہوگی۔

یا تو کھیتی شروع کرنے سے پہلے انتقال ہوا ہوگا،

یا کھیتی شروع کرنے کے بعد پکنے سے پہلے انتقال ہوا ہوگا،

یا کھیتی پکنے کے بعد ہوا ہوگا،

اور پھر وفات پانے والا کاشتکار ہوگا،

یا زمیندار ہوگا،

(۱) اگر کھیتی شروع کرنے سے پہلے کاشتکار کا انتقال ہوا ہے تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، معاملہ ہی ختم ہو جائے گا؛ لیکن اگر کھیتی شروع کرنے سے پہلے زمیندار کا انتقال ہوا ہے اور کاشتکار زمین جوت چکا ہے (ہل چلا چکا ہے) اور نالیاں وغیرہ بنا چکا ہے تو اس وقت بھی معاملہ ختم ہو جائے گا اور کاشتکار کو اپنے عمل کے عوض کچھ نہ ملے گا۔

ولو مات رب الأرض قبل الزراعة بعد ما كرب الأرض وحفر الأنهار انقضت المزارعة لأنه ليس فى ذلك إتلاف مالٍ على المزارع ولا شيءَ للعامل بمقابلة العمل لأنه يقوم بالخارج ولا خارج فلا يجب شيءٌ (تبيين الحقائق: ٤٣٨/٦)

(۲) اور درمیانِ مزارعت کھیتی پکنے سے پہلے کاشتکار کا انتقال ہوا ہے اور اس کے وارثین کھیتی پکنے تک عمل کرنے پر راضی ہو تو زمیندار کو ان کے روکنے کا حق نہیں؛ لیکن ان وارثین کو پکنے تک کے عمل کے عوض مزید کچھ نہ ملے گا۔

ولومات المزارع بعد نبات الزرع فقالت ورثته: نحن نعمل إلى

أن يستحصد الزرع وأبىٰ رب الأرض فلهم ذلك لأنه لاضرعلى رب الأرض، ولا أجر لهم بما عملوا لأنا أبقينا العقد نظراً لهم. (هدايه: ١١٣/٧، ١١٤)

لیکن اگر وہ وارثین عمل کے لیے راضی نہ ہو اور کچی کھیتی ہی لینا چاہتے ہوتو زمیندار ان کو عمل پر مجبور نہیں کرسکتا، البتہ زمیندار کو تین اختیار رہیں گے (۱) یا تو کچی کھیتی ہی کاٹ کر تقسیم کرلے (۲) یا ان کو ان کے حصہ کی قیمت دے دے یا کھیتی پر خرچ کرتا رہے اور آخر میں ان کے حصہ کے بقدر خرچ ان سے وصول کرلے۔

فإن أرادوا قلع الزرع لم يجبروا على العمل لما بينا والمالك على الخيارات الثلاثة لما بينا. (هدايه: ١١٤/٧)

(۳) اور اگر کھیتی پکنے سے پہلے زمیندار کا انتقال ہوا ہے تب بھی معاملہ ختم ہوجائے گا؛ البتہ کھیتی پکنے تک کاشتکار کے ذمہ عمل باقی رہے گا۔

نوٹ: یاد رہے کہ یہ مسئلہ ’کھیتی پکنے سے پہلے مدت ختم ہونے والے‘ کے برعکس ہے کہ وہاں دونوں پر عمل اور دیگر مصارف آتے ہیں، نیز عامل پر زمین کی اجرتِ مثلیہ بھی واجب ہوتی ہے۔ جب کہ یہاں عمل صرف کاشتکار کے ورثاء کے ذمہ ہوگا اور یہ معاملہ کاشتکار پر کرایہ کے بغیر باقی رہے گا، اور یہاں اخراجات بھی کاشتکار پر ہوں گے۔

مسئلة الموت مخالفة لمسئلة انقضاء المدة فى الأحكام الثلاث. وهى وجوب أجر الأرض والاشتراك فى النفقة، والاشتراك فى العمل حيث لم يجز أجر مثل نصيبه من الأرض على العامل.

(الكفاية)(هداية:١١٣/٧)

وهـذا بخلاف ما إذا مات رب الأرض والزرع بقل حيث يكون العمل فيه على العامل لأن هناك أبقينا العقد فى مدته والعقد يستدعى الـعـمـل عـلى العامل (فى مسئلة الموت). أما ههنا العقد قد انتهىٰ .

(هـدايـه:١١٣/٧) وفـى حـاشيته : هذا بخلاف: فإنه يبقى الزرع بلا أجر ولا الاشتراك فى العمل [العناية:٣٩٧/٨]. يكون العمل الخ

مسئلہ: اگر زمین مزارعت کے لیے تین سال کے لیے دی اور کھیتی پکنے کے بعد ابھی کاٹنے کے قابل نہیں ہوئی تھی کہ زمیندار کا انتقال ہوگیا تو اب کھیتی اگ گئی اس لیے کاٹنے کے قابل ہونے تک عامل کے ہاتھ میں کھیتی چھوڑ دی جائے گی تاکہ وہ کاٹ کر اپنی شرط کے مطابق (جو زمیندار کے ساتھ ہوئی تھی) پیداوار حاصل کرلے، مگر بقیہ سالوں میں مزارعت فسخ ہوجائے گی۔ ویسے تو پہلے سال میں مزارعت زمیندار کی موت کی وجہ سے فسخ ہوگئی ہے؛ لیکن استحساناً کاشتکار اور زمیندار کے ورثاء کی رعایت میں (کہ ان کو کسی قسم کا ضرر نہ ہو) کاشتکار کے قبضہ میں چھوڑ دی جائے گی۔

فـلـو كـان دفـعهـا ثـلاث سـنيـن فـلـما نبت الزرع فى السنة الأولى ولم يستـحـصـد حتـى مــات رب الأرض تـرك الأرض فـى يد المزارع حتى يستـحـصـد الـزرع ويـقسـم عـلى الشرط وتنقض المزارعة فيما بقى من السنتين لأن فى إبقاء العقد فى السنة الأولى مراعاةً للحقين بخلاف السنة الثانية والثالثة لأنه ليس فيه ضرر بالعامل فيحافظ فيهما على القياس.

(ہدایہ:۱۱۱/۷)(مستفاد از: تفہیم الاحکام:۳۵۳/۲ تا ۳۵۶)

(۴) اور اگر کھیتی پکنے کے بعد دونوں میں سے کسی کا انتقال ہو گیا ہے تو اس میں کوئی مسئلہ ہی نہیں کیوں کہ کھیتی کے پکنے سے ہی عقد ختم ہو گیا ہے۔

موت کے علاوہ دیگر اعذار

(۵) عاقدین میں معاہدہ ہو جانے کے بعد کوئی صراحۃً فسخ (یعنی فسخ، اقالہ یا اس جیسے الفاظ کے ذریعہ مثلاً مالکِ بیج، بیج ڈالنے سے پہلے مزارعت سے انکار کردے،) کردے یا دلالۃً فسخ کردے مثلاً آقا غلام کو مزارعت سے روک دے، یا کوئی کاشتکار کوئی دوسرے پیشہ میں مشغول ہو جائے وغیرہ۔

اگر معاہدہ ہونے کے بعد بیج ڈالنے سے پہلے مالکِ بیج ایفاءِ عہد سے انکار کرتا ہے تو اسے مزارعت کے معاملہ پر مجبور نہ کیا جائے گا اس لیے کہ اس کے حق میں بیج ڈالنے سے پہلے عقد لازم نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اولاً اسے ہی اپنے دانے ہلاکت کے لیے ڈال کر ضرر اٹھانا ہے اور اس کی واپسی کی کوئی ضمانت نہیں، کیا معلوم منافع ہوتے بھی ہے یا نہیں اس لیے وہ بغیر کسی عذر کے بھی ایفاءِ عہد سے انکار کر سکتا ہے۔

لیکن اگر غیرِ مالکِ بیج انکار کرے تو اسے ایفاءِ عہد پر مجبور کیا جائے گا کہ اس کے بیج نہ ہونے کی وجہ سے اس کو مجبور کرنے میں اس کا کوئی نقصان نہیں ہے اس لیے اس کے حق میں عقد لازم ہے، وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ البتہ ایسے اعذار پیش آجائیں جس سے اجارہ فسخ ہو جاتا ہو تو ان اعذار کی وجہ سے مزارعت بھی فسخ ہو جائے گی۔ الغرض کاشتکار بلا کسی عذر کے مزارعت سے انکار نہیں کر سکتا۔

وإذاعقدت المزارعة فامتنع صاحب البذر من العمل لم يجبر عليه لأنه لايمكنه المضي فى العقد إلا بضرر يلزمه فصار كما إذا استأجر أجيراً ليهدم داره. وإن امتنع الذى ليس من قبله البذر أجبره على العمل لأنه لايلحقه بالوفاء بالعقد ضررٌ والعقد لازم بمنزلة الإجارة إلّا إذا كان عذر يفسخ به الإجارة فيفسخ به المزارعة.

(ہدایہ:۷/۱۰۹،۱۱۰)

مسئلہ:اگر زمیندار (جب کہ اس کے بیج ہو) بیج ڈالنے سے پہلے مزارعت سے انکار کردے اور کاشتکار زمین جوت چکا ہے تھا تو اس وقت عقد ختم ہو جائے گا اور عامل کے لیے جوتنے کے عمل کے عوض زمیندار پر کچھ واجب نہ ہوگا، یعنی کاشتکار زمیندار سے اس کی اجرت کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ البتہ زمیندار مالکِ بیج کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے عمل کے عوض معروف اجرت دے کرا سے راضی کرے۔ کیوں کہ اس کی وجہ سے کاشتکار نے دھوکہ کھایا ہے۔

لو امتنع رب الأرض والبذر من قبله وقد كرب المزارع الارضَ فلا شىءَ له فى عمل الكراب قيل : هذا فى الحكم امّا فيما بينه وبين الله تعالیٰ يلزمه استرضاء العامل. لانه غرّه فى ذلك. (هداية:۱۱۰/۱۷)

نوٹ:۔یاد رہے کہ مالکِ بیج کے لیے اس طرح انکار کرنے کی فقہاء نے جو گنجائش دی ہے وہ اس وقت ہے جب کہ وہ بالکل کاشت کرنا ہی نہ چاہتا ہو۔ چنانچہ اگر اس نے ایفاءِ عہد سے انکار اس لیے کیا ہے کہ اب وہ خود عمل کرے گا یا اس کو دوسرا ایسا کاشتکار کام کرنے کے لیے مل گیا ہے جو موجودہ کاشتکار سے کم کرایہ

(پیداوار) پرکام کردے تو اس وقت اس کے لیے انکار کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

قال الرملي: إذا لم يأب لكن وجد عاملاً أرخص منه أو أراد العمل بنفسه يجبر لعدم العلة يدل عليه التشبيه، أذ لولم يمتنع عن الهدم لكن وجد أرخص منه أوأراد هدمها بنفسه ليس به ذلك. وعلىٰ هذا للعامل تحليفه عند الحاكم على الامتناع لأنه يجوز أن يريد غيرما أظهره. (شامی:۹/ ۴۰۳)

(۶) اسی طرح کاشتکار بیمار ہوگیا (کہ جس کی وجہ سے وہ عمل مزارعت نہیں کر پائے گا) یا وہ کسی سفر پر چلا گیا یا گزر بسر کے لیے دوسرا پیشہ اختیار کرلیا (جو اس کو عملِ مزارعت سے مانع ہے) یا کوئی ایسا معتبر مانع پیش آجائے جو اس کو عمل سے روک دے، تو ان وجوہات کی وجہ سے بھی مزارعت کا معاملہ فسخ ہوجائے گا۔

وامّا الثانی الذی یرجع إلی المزارع: فنحو المرض لأنه معجز عن العمل، والسفر لأنه یحتاج إلیه، وترك حرفةٍ إلی حرفةٍ لأن من الحرف مالا یغنی عن جوع فیحتاج إلی الانتقال إلی غیره، ومانع یمنعه من العمل علی ما عرف فی کتاب الإجارة. (بدائع:۵/ ۲۶۷)

اسی طرح زمیندار پر بھاری قرض آگیا ہے کہ جس کی ادائیگی کے لیے زمین کوفروخت کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہو تو اس وقت بھی مزارعت فسخ ہوجائے گی، جب کہ فسخ ممکن ہو بایں طور کہ یہ کھیتی کرنے سے پہلے واقع ہوا ہو، یا کھیتی پکنے کے بعد ہوا ہو اور کھیتی کاٹنے کے قابل ہو، تو قاضی کے فروخت کرنے کے بعد فسخ ہوگا۔ فقط عذر پیش آنے سے فسخ نہ ہوگا۔

اور اگر فسخ ممکن نہ ہو یعنی کھیتی کاٹنے کے قابل نہ ہوئی ہو تو زمین فروخت نہیں کی جائے گی۔اور عقد فسخ نہیں ہوگا۔

أما الأول الذى يرجع إلى صاحب الأرض فهو الدين الفادح الذى لا قضاء له إلا من ثمن هذا الأرض. تباع فى الدين فيفسخ العقد بهذا العذر إذا أمكن الفسخ بأن كان قبل الزراعة أو بعدها إذا أدرك الزرع و بلغ مبلغ الحصاد لأنه لا يمكنه المضي فى العقد إلا بضرر يلحقه فلا يلزمه تحمّل الضرر فيبيع القاضى الأرض بدينه أوّلاً ثم يفسخ المزارعة و لا تنفسخ بنفس العذر .و إن لم يمكن الفسخ بأن كان الزرع لم يدرك و لم يبلغ مبلغ الحصاد لا يباع فى الدين و لا يفسخ إلى أن يدرك الزرع لأن فى البيع إبطال حق العامل و فى الانتظار إلى وقت الادراك تأخير حق صاحب الدين و فيه رعاية الجانبين فكان أولىٰ . (بدائع:۲٦٦/٥)

(۷) کاشتکار سے خیانت کا خوف ہو اس وقت بھی فسخ کرنا جائز ہے۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ:ص:۵)

پیداوار کاشتکار کے پاس ہلاک ہو جائے۔

اگر غلہ کاشتکار کے پاس اس کی کوتاہی کے بغیر ہلاک ہو جائے تو کاشتکار پر کچھ واجب نہ ہوگا، چاہے عقدِ مزارعت صحیح ہوا ہو یا فاسد ہو گیا ہو، حتی کہ اگر عقد کے وقت زمیندار نے کاشتکار سے کفیل لیا تھا کہ اگر پیداوار تلف ہو گئی تو یہ کفیل بھی اصل کاشتکار کی طرف سے تاوان دے گا، پھر بھی یہ کفالت صحیح نہیں۔ مالک اس

کفیل سے تاوان کا مطالبہ نہیں کرسکتا بلکہ اگر اس طرح ہلاک ہونے کی صورت میں تاوان دینے کے کفالہ کو مزارعت میں شرط کے طور پر کیا ہے تو یہ مزارعت بھی فاسد ہوجائے گی۔

والغلة، فی المزارعة مطلقاً ولو فاسدة أمانة فی يد المزارع فلا ضمان عليه لو هلكت الغلة فی يده بلا صنعه فلا تصح الكفالة بها. (الدر المختار) و فی الشامية : (فلا تصح الكفالة بها) أی بحصة رب الأرض منها فلا يضمن الكفيل ما هلك عند العامل بلا صنعه سواء كان البذر من رب الأرض لأن حصته أمانة عند المزارع وتفسد المزارعة إن كانت الكفالة شرطاً فيها كالمعاملة. خانية. (شامی:۹/۴۰۸)

البتہ اگر کاشتکار نے کوئی کوتاہی کی اور اس کے کسی عمل سے پیداوار ہلاک ہو گئی تو پھر تاوان آئے گا اور اس استہلاک کا کفالہ بھی شرط کئے بغیر صحیح ہے۔ اگر کفالہ بطورِ شرط کیا تو مزارعت فاسد ہوجائے گی۔

نعم لو كفله بحصته إن استهلكها صحت المزارعة والكفالة إن لم تكن على وجه الشرط وإلا فسدت المزارعة .(الدر) (مستفاد از: تفهيم الاحكام:۲/۳۵۸)

قابل ذکر کچھ مسائل

مسئلہ: پیداوار کاٹنے کے لیے جو مزدور ہوتے ہیں ان کو جس کھیت سے وہ کاٹ رہے ہیں اسی سے نکلنے والا غلہ اجرت میں متعین طور پر طے کرنا درست نہیں ہے۔ (محمود الفتاوی:۴۴۵/۲)

مسئلہ: زمیندار نے اپنی زمین کاشتکاری کے لیے کسان کو دے دی اور اسی زمین میں کچھ درخت پھل دار اور بے پھل دار مثلاً نیم، کیکر، شیشم وغیرہ جن کی لکڑی کارآمد ہو، زمیندار لگوانا چاہتا ہے کسان کے ہاتھ سے، اگر چوتھا یا پانچواں حصہ درختوں کا بھی اور پھل کا بھی کسان کا مقرر کر دیا جائے تو یہ صورت اس وقت درست ہے جب کہ کوئی مدت معین کر دے، ورنہ درست نہیں۔ (امداد الفتاوی: ۳-۵۲۴)

مسئلہ: اگر باغ کا پھل غیر پختہ اس طرح دیا جائے کہ اس کی پرداخت تیرے اوپر ہے، جو پیداوار ہوگی نصفا نصف کی جائے گی تو یہ جائز ہے۔ (ایضاً)

مسئلہ: ایک شخص نے اپنی زمین کے متعلق دوسرے شخص سے کہا کہ تم اس کو کاشت کرو، اور پیداوار ہو یا نہ ہو تم اس قدر غلہ مثلاً دس من یا گیارہ من مجھ کو دے دینا باقی تم لے لینا اور بعض یہ کرتے ہیں کہ اگر پیداوار ہو تو دینا، ورنہ نہیں، یہ صورت صحیح نہیں ہے، کیوں کہ مزارعت میں ایسی شرط کرنا کہ دس من یا گیارہ من میں لوں گا، باقی تم لینا، ہر حال میں فاسد ہے، خواہ کچھ پیدا ہو یا نہ ہو۔ مزارعت کی صحت کے لیے من جملہ دیگر شرائط کے یہ بھی ضروری ہے کہ نفع مشترک ہو مثل

نصف یا ثلث یا ربع وغیرہ کے۔(فتاوی دار العلوم: ۳۸۹/۱۵)

مسئلہ: ایک شخص اپنی زمین مع پانی کے کسی آدمی کو چوتھے یا پانچویں حصے پر دیتا ہے، اور مالک زمین سوائے زمین اور پانی کے عامل کو اور کچھ نہیں دیتا ہے، بیج عامل کا ہوتا ہے، یہ صورتِ زراعت درست ہے۔(فتاوی دار العلوم: ۳۹۰/۱۵)

مسئلہ: ایک شخص نے زمین زراعت پر دی ہے اس شرط پر کہ جو زمین بوئے گا اس سے دوسرا کام بھی لوں گا، تو اس شرط سے زراعت فاسد ہو جائے گی۔ (ایضاً)

مسئلہ: ہندو کی زمین کو مسلمان اس شرط پر کاشت کرتا ہے کہ اس زمین میں جو کچھ پیدا ہوگا اس کو دو حصے کر کے ایک حصہ مالکِ زمین کے پاس پہنچا دے گا، اور دوسرا حصہ خود رکھے گا تو مذکورہ صورت زراعت کی صحیح ہے۔(ایضاً)

مسئلہ: جو کاشتکار کسی زمین کو بارہ (۱۲) سال تک کاشت کرے، اس کے بعد موروثیت کے طور پر مالکِ زمین کی رضامندی کے بغیر زمین میں کوئی تصرف کرنا یہ شرعاً درست نہیں کیوں کہ موروثیت شرعاً باطل ہے۔ کاشتکار کو شرعاً کوئی حق نہیں کہ وہ مالکِ زمین کی رضامندی کے بغیر کوئی تصرف کرے۔(فتاوی دار العلوم: ۳۹۴/۱۵)

مسئلہ: کاشتکار کا موروثی قانونی قبضہ مالکِ زمین کی مرضی کے خلاف ناجائز اور حرام ہے۔(کفایت المفتی: ۳۷۲/۱۷)

مسئلہ: کاشتکاری کے لیے لی ہوئی زمین کو رہن رکھنا جائز نہیں۔ (ایضاً: ۳۷۳/۷)

مسئلہ: کاشتکار یا زمیندار کا تقسیم پیداوار سے پہلے پیداوار میں کوئی تصرف کرنا درست نہیں تقسیم کے بعد ہر ایک اپنے حصہ میں تصرف کرسکتا ہے۔ اور اگر قبل از تقسیم کسی نے کچھ جنس (پیداوار) کو صرف کیا تو اس کو حساب میں اپنی طرف لگانا چاہیے۔ ((فتاوی دارالعلوم: ۳۹۴/۱۵)

مسئلہ: اگر کوئی شخص مالکِ زمین کی رضامندی اور اجازت کے بغیر اس کی زمین میں کھیتی کرلے تو مالکِ زمین اپنی زمین کے حصہ کا مطالبہ کرسکتا ہے اور کاشتکار پر اس کی ادائیگی واجب ہے؛ البتہ اس علاقے میں کوئی متعین مقدار (مثلاً نصف حصہ کا یا ثلث کا یا کوئی اور تناسب سے پیداوار کا حصہ دینے کا) رواج ہو تو اس صورت میں مالکِ زمین وہ مروج حصہ (نصف یا ثلث وغیرہ) پیداوار ہی لے گا۔

وفی الدر: زَرَعَ رجلٌ بلا أمرِہ طالبہ بحصتہ الأرض فإن كان العرف جرٰی فی تلك القریة بالنصف أو بالثلث و نحوہ و جب ذلك۔ (شامی: ۴۰۹/۹)

مسئلہ: زید اپنی مملوکہ زمین عمر کو اس شرط پر بٹائی پر دیتا ہے کہ مجھے ایک ہزار روپیہ بطورِ قرضِ حسنہ دے دے، اور چوتھائی حصہ غلے کا مقرر کرتا ہے اور یہ شرط کرتا ہے کہ جب روپیہ ادا کردوں گا، زمین بٹائی سے واپس لوں گا، تو یہ صورت کلُّ قرضٍ جرّ نفعاً میں داخل ہوکر ممنوع ہوجائے گی۔ (از فتاوی دارالعلوم: ۳۹۳/۱۵)

مسئلہ: کاشتکار لوگ یا زمیندار لوگ کھیتی کرنے کے لیے جو مزدور رکھتے ہیں ان کو بڑی رقم قرض کے طور پر دیتے ہیں پھر اس قرض کی وجہ سے ان کی مزدوری کم

طے کی جاتی ہے کہ اگر وہ قرض نہ دیا ہوتا تو اتنی کم مزدوری پر وہ تیار نہ ہوتے تو شرعاً اس طرح قرض سے فائدہ اٹھانا سود کے حکم میں ہیں (کل قرض جرّ نفعًا فھو حرام) کی وجہ سے اس طرح کرنا حرام ہے۔

مسئلہ: ایک عقد کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کی زمین ہے اور دوسرا کاشتکار اور تیسرے کا ٹیوب ویل ہے، جس سے زمین کو پانی دیتا ہے، پیداوار کے تین حصہ کر کے ایک ایک حصہ ہر ایک کو دیا جاتا ہے، تو یہ صورت درست نہیں ہے۔ کیوں کہ پانی کے عوض اس طرح فصل کا حصہ لینا جائز نہیں، کل پیداوار مالک اور مزارع کے درمیان برابر تقسیم ہوگی۔ اور عشر بھی ان دونوں پر واجب ہوگا، ٹیوب ویل کے مالک کو اجرتِ مثلیہ بصورتِ نقد ملے گی۔ (احسن الفتاوی: ۷/۳۷۸)

نشہ آور چیزوں کی کاشتکاری

(۱) افیون (مشہور پھل پوستہ۔خشخاش) چونکہ بذاتِ خود نشہ آور نہیں اس لیے اس کی کاشتکاری فی نفسہ جائز ہے؛ لیکن مارفین (MORPHINE) اور ہیروئن (HEROIN) تیار کرنے کی نیت سے اس کی کاشت کی اجازت شرعاً نہیں ہونی چاہیے۔

(۲) بھانگ (حشیش، چرس، گانجہ اس کے تقریباً تین سو نام ملتے ہیں) چونکہ عام طور پر صرف نشہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لیے بھانگ کی کاشتکاری ناجائز ہونی چاہیے۔

(۳) اگر کوکا (COCAINE) کی کاشت محض کوکین یا کریک جیسی مضر اور مہلک چیز تیار کرنے کے لیے کی جائے تو شرعاً یہ جائز نہیں ہوگی اور اگر دوسرے اغراض کے لیے اس کی زراعت کی جائے اس کی اجازت ہونی چاہیے۔

(۴) تمباکو نوشی کے سلسلے میں بعض علماء نے حرمت اور بعض علماء نے اباحت کا فتوی دیا ہے، علماءِ ہند میں مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تمباکو کو فی نفسہ مباح لیکن بے احتیاطی سے بدبو ہونے کی صورت میں مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے تمباکو اور اس جیسی دوسری نشہ آور چیزیں جو عقل کے لیے بہت زیادہ خلل پیدا نہ کرتی ہوں اور زیادہ نقصان دہ نہ ہو ایسی تمام اشیاء کی زراعت کراہت سے خالی نہیں۔(ماخوذ از: اسلام کا نظامِ زراعت:۷۳تا۷۷)

مساقاة (باغبانی)

اگر کوئی شخص اپنا تیار شدہ درخت یا باغ کسی کو اس شرط پر دے کہ تم اس کی نگرانی اور سینچائی وغیرہ کرو اور پھل دونوں کے درمیان مشترک ہوں گے، اس کو مساقات کہا جاتا ہے۔

مساقات کے ارکان وشرائط عام طور پر وہی ہیں جو مزارعت کی صحت کے لیے ضروری ہیں۔ اس کے بھی تمام معاملات ساقی اور درخت والے (یعنی بٹائی داراور زمیندار) کی باہمی رضامندی سے کیئے جائیں گے۔

البتہ مساقات ومزارعت میں درجِ ذیل باتوں میں فرق ہے:

[۱] مساقات کا معاملہ لگے لگائے باغ یا درخت میں جائز ہے۔ اس شرط پر معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا کہ درخت یا باغ لگاؤ، تیار ہونے کے بعد دونوں پھل میں شریک رہیں گے۔ اس کے بالمقابل زراعت میں بیج بونا اور غلہ اگانے کی ذمہ داری مزارع کاشتکار کی ہوتی ہے۔

[۲] مساقات کا معاملہ ہوجانے کے بعد بغیر کسی شدید مجبوری کے دونوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ علیحدہ ہوجائے اگر کوئی فریق علیحدہ ہوگا تو شرعًا اس کو معاہدے کی تکمیل پر مجبور کیا جائے گا۔ جبکہ مزارعت میں مالکِ بیج کو بیج ڈالنے سے پہلے بغیر کسی عذر کے بھی علیحدگی کا اختیار رہے۔

[۳] مساقات ان درختوں اور ترکاریوں وغیرہ میں جائز ہے، جس کی جڑ زمین ہو اور اسے پانی دینے اور حفاظت کی ضرورت ہو پھل چاہے آئے یا نہ آئے۔

[۴] اگر باغ میں کسی اور کا حق نکل آیا تو عامل کو اس کی محنت کی مزدوری شہر میں رائج مزدوری کے مطابق ملے گی یعنی اجرتِ مثل ملے گی۔ جبکہ مزارعت میں یہی صورت پیش آئے تو کاشتکار کو اجرتِ مثل نہیں بلکہ کھیتی کی قیمت دی جائے گی۔ (کمافی البحر:۸-۲۹۹،شامی:۹-۴۱۴)

[۵] مساقات میں پھل پکنے سے پہلے متعینہ مدت ختم ہوگئی تو ساقی (عامل) پھل پکنے تک بغیر کسی مزدوری کے کام کرے گا؛ جبکہ مزارعت میں اگر یہی صورت پیش آئے تو کاشتکار مدت کے ختم ہونے کے بعد سے پکنے تک کے عمل کی اجرتِ مثلیہ لے گا۔(اسلام کا نظامِ زراعت، بحوالہ بحر،شامی، ہدایہ وغیرہ:۸۰تا۸۳)

مسئلہ: اگر پھل لگے ہوئے درخت پرورش کو دیئے اور پھل ایسے ہوں کہ پانی دینے اور محنت کرنے سے بڑھتے ہوں تو درست ہے اور اگر ان کا بڑھنا پورا ہو چکا ہو تو مساقات درست نہ ہوگی جیسے مزارعت کہ کھیتی تیار ہونے کے بعد درست نہیں۔(صفائی معاملات:۳۶)

مسئلہ: عقدِ مساقات جب فاسد ہو جائے تو پھل سب، درخت والے کے ہوں گے اور کام کرنے والے کو معمولی مزدوری ملے گی۔ جس طرح مزارعت میں بیان ہوا۔(صفائی معاملات:۳۶)

پیداوار کی زکوۃ اور زمینوں کی حیثیت

قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ مسلمان اپنی زمینی پیداوار سے زکوۃ (دسواں یا بیسواں حصہ) دیا کریں۔

قرآن کریم میں ہیں: یـأیھاالذین اٰمنوا اَنفِقُوا مِن طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض ۔

(اے ایمان والوخرچ کرواپنی پاکیزہ کمائی میں سے اوراس (پیداوار) میں سے جوہم نے تمہارے زمین سے نکالی ہے۔(بقرہ:۲٦۷)

دوسری جگہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:وآتو حقه یوم حصاده (الأنعام: ١٤١)اوراس کا حق ادا کرواس کی کٹائی کے دن۔اکثر مفسرین نے اس آیت سے عشر مرادلیاہے۔ارشادنبوی ہے کہ:

أن فی ما سقت السماء والعیون أو کان عشریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر ۔ (بخاری: ٢٠١/١)

جوزمین بارش سے یا چشموں سے یا قدرتی نہروں سے سیراب ہوں اس میں عشر واجب ہےاور جو(مصنوعی ذرائع) سینچی جائے،اس میں نصف عشر واجب ہے۔مذکورآیات سے پیداوار میں عشر کی فرضیت کا پتہ چلتا ہے، یہی پیداوار کا حق ہے۔

زمین دوطرح کی ہے:(۱)عشری زمین (۲)خراجی زمین۔

عشری زمین: وہ زمین جومسلمانوں نے کافروں سے فتح کرکے حاصل کی

ہوں، یا اسلامی حکومت میں کسی مسلمان کو بطور جا گیر عطا ہوتی ہو، یا مسلم ملک میں کوئی بنجر زمین ہو پھر حکومت کی اجازت سے کوئی مسلمان اسے قابل کاشت بنانے وغیرہ، اور وہ زمین اس وقت سے ابھی تک مسلمانوں ہی کے قبضے میں چلی آرہی ہوں، اسی طرح جزیرۃ العرب کی تمام زمین مطلقاً عشری ہیں ان میں عشر واجب ہوگا۔

خراجی زمین: وہ ہے جو غیر مسلموں کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہو یا مسلمان کی زمین کو کسی کافر نے خرید لیا ہو، یا مسلم حکومت کی طرف سے کسی غیر مسلم کو بطور جا گیر دی گئی ہو، یا غیر مسلم حکومت نے اس زمین کو بحقِ سرکار ضبط کرلیا ہو وغیرہ، تو یہ زمین خراجی کہلاتی ہے، ان زمینوں کو اگر کوئی مسلمان خرید لے پھر بھی وہ خراجی ہی رہتی ہیں، ان میں عشر واجب نہیں ہوتا۔

خراجی زمینوں میں عمومی حالات میں خراج یعنی ٹیکس واجب ہوتا ہے، جو دو طرح کا ہوتا ہے :(۱) خراج موظف خلف یعنی پیداوار کا لحاظ کئے بغیر، زمین کے رقبہ کے اعتبار سے کوئی رقم متعین کردی جائے، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فی جریب ایک درہم اور ایک قفیز گیہوں مقرر کیا تھا۔

(۲) خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کے اعتبار سے فیصدی حصہ مثلا دسواں یا بیسواں حصہ مقرر کردیا جائے۔(کتاب المسائل:۲/ ۲۴۳،۲۴۴)

ہندوستانی زمینوں کی صورتِ حال

اسلامک فقہ اکیڈمی کے چھٹے سمینار (عمر آباد، تامل ناڈو) میں ہندوستان

میں مسلمانوں کی زرعی زمینوں کے متعلق جو تجاویز فیصل کی گئی اسے مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے:

اصول طور پر شریعت نے مسلمانوں کی زمین میں عشر اور غیر مسلموں کی زمین میں خراج واجب قرار دیا ہے، عشر میں بنیادی تصور عبادت کا ہے اور یہ زکوۃ ہی کی ایک قسم ہے اس لیے مسلمانوں کے حق میں اصل 'عشر' ہے اور چونکہ عشر کو ساقط کرنا ایک عبادت کو ساقط کرنا ہے اس لیے جہاں عشر کے ساقط ہونے کی صراحت اور اس پر کوئی قوی نص موجود نہ ہو وہاں احتیاط کا تقاضہ ہے کہ مسلمانوں کے حق میں عشر ہی کے حکم کو باقی رکھا جائے۔ عشر کے سلسلے میں ان بنیادی اور متفقہ اصولوں اور ہندوستان کے موجودہ سیاسی نظام کو سامنے رکھ کر ہندوستان کی اراضی کی شرعی حیثیت کے متعلق سمینار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ:

[۱] ہندوستان میں مسلمانوں کی زرعی زمینوں کے متعلق یہ خیال کہ نہ ان میں عشر واجب ہے نہ خراج، درست نہیں۔

[۲] ہندوستان کی زمینیں مندرجہ ذیل صورتوں میں بالاتفاق عشری ہیں:

(الف) مسلمان حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو عطا کردہ زمین جو اب تک مسلمانوں کے پاس چلی آرہی ہیں۔

(ب) جس علاقہ کے لوگ مسلم حکومت کے قیام سے پہلے بہ خوشی مسلمان ہو گئے ہوں اور ان کی زمینیں ابھی تک مسلمانوں ہی کے پاس چلی آرہی ہیں۔

(ج) جو زمینیں عرصۂ دراز سے مسلمانوں کے پاس ہیں اور تاریخی طور پر ان

کا خراجی ہونا ثابت نہیں ہے۔

جو مزروعہ یا افتادہ زمینیں حکومتِ ہند سے مسلمانوں کو حاصل ہوں اس صورت کو بعض حضرات خراجی قرار دیتے ہیں۔

[۳] جو زمینیں غیر مسلم حکومت یا افراد سے کسی مسلمان کو حاصل ہوئی ہوں ان کے بارے میں شرکاء سمینار کی رائیں مختلف ہیں: بعض حضرات کے نزدیک ہندوستان کی تمام زمینیں عشری ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں خراج واجب ہے۔

'تاہم اس پر اتفاق ہے کہ احتیاط تمام ہی زمینوں میں عشر ادا کرنے میں ہے۔' (نئے مسائل اور علماء ہند کے فیصلے: ٦٦۔٦٧)

پیداوار میں عشر کے مسائل:

زمین کی پیداوار میں بطور زکوۃ 'عشر' کے وجوب کی تفصیل سابق میں گذر چکی، اس سلسلے میں واضح رہے کہ 'عشر' سے مراد یا تو پیداوار کا دسواں حصہ (دس فیصد) ہے یا بیسواں حصہ (پانچ فیصد)۔

اس کا قاعدہ یہ ہے کہ

اگر عشری زمین سال کے اکثر حصے میں قدرتی آبی وسائل (بارش، ندی، چشمہ وغیرہ) سے سیراب کی جائے تو اس میں عشر یعنی کل پیداوار کا دسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔

اور اگر وہ زمین مصنوعی آب رسانی کے آلات و وسائل مثلاً ٹیوب ویل، یا

خریدے ہوئے پانی سے سیراب کی جائے تو اس میں نصف عشر یعنی کل پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہوتا ہے۔ (امداد الفتاوی :۲-۵۸/ کتاب المسائل ۲-۱۶۷ / البلاغ گجراتی ماہنامہ اپریل:۲۰۱۳)

[۱] نابالغ بچے اور مجنون کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے۔(کتاب المسائل:۱۶۸/۲)

[۲] موقوفہ زمین میں اگر پیداوار ہو تو اس میں بھی عشر واجب ہے۔ (کتاب المسائل:۱۶۸/۲)

[۳] اگر کسی شخص نے اپنی زمین کرایہ پر اٹھا رکھی ہے اور اس میں کرایہ دار کاشت کرتا ہے، تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مالکِ زمین کرایہ سے حاصل کردہ رقم میں سے عشر نکالے گا، کرایہ دار پر عشر نہ ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک عشر کا ذمہ دار کرایہ دار ہے اور موجودہ زمانہ میں چوں کہ کرایہ کا تناسب پیداوار سے عموماً بہت کم ہوتا ہے اس لیے فتوی صاحبینؒ کے قول پر ہے، شامی کی بحث سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ (کتاب المسائل:۱۶۹/۲)

[۴] اگر کسی شخص نے اپنی زمین بطورِ عاریت کسی مسلمان کاشتکار کو دے رکھی ہے تو پیداوار کا عشر کاشتکار پر ہوگا اور اگر کسی کافر کو دے رکھی ہے تو عشر مالکِ زمین پر واجب ہوگا۔ (کل پیداوار کی قیمت لگا کر دسواں حصہ صدقہ کرے۔) (کتاب المسائل:۱۶۹/۲)

[۵] جو زمین بٹائی پر دے رکھی ہے اس کی پیداوار میں ہر شریک پر اس کے حصہ میں سے عشر واجب ہوگا۔ (کتاب المسائل:۱۶۹/۲)

[۶] کھیتی کی تیاری میں جو اخراجات ہوتے ہیں، مثلاً آب رسانی، مزدوری ،کھاد وغیرہ، انہیں آمدنی سے منہا نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ مجموعی پیداوار میں عشر نکالنا ضروری ہوگا۔

[۷] پیداوار میں سب سے پہلے عشر نکال کر الگ کرنا چاہیے اس کے بعد ہی پیداوار کو استعمال کرنا چاہیے اور جو پیداوار فروخت کردی گئی ہو اس کی قیمت سے اوّلاً دس فیصدی حصہ عشر کا الگ کر کے استعمال ہونا چاہیے اور جو غلہ پہلے استعمال کرلیا گیا تو حساب لگا کر اس کی قیمت کا دسواں حصہ صدقہ کیا جائے گا۔(کتاب المسائل:۱۷۰/۲)

[۸] امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر کل پیداوار اور ہر طرح کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے۔خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ؛ یعنی عشر کے وجوب کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے۔(کتاب المسائل:۱۷۱/۲)

[۹] اگر کسی زمین میں سال میں کئی فصلیں ہوتی ہوں تو ہر فصل سے عشر لیا جائے گا۔(کتاب المسائل:۱۷۱/۲)

[۱۰] امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سبزیوں اور ترکاریوں پر بھی عشر واجب ہے؛ لہذا جب جتنی سبزیاں کھیت سے کاٹی جائے ان کا دسواں حصہ راہِ خدا میں خرچ کے لیے الگ نکالا جائے۔(ایضاً)

[۱۱] اگر کسی شخص نے اپنی زمین میں لپٹس یا پاپلر وغیرہ درخت لگا رکھے ہیں؛ تاکہ تیار ہونے پر انہیں بیچ کر نفع حاصل کرے تو جب بھی انہیں کاٹا جائے گا ان میں عشر واجب ہوگا۔(کتاب المسائل:۱۷۲/۲)

[۱۲] اگر بانس خودرو ہے تو اس میں عشر واجب نہیں ہے اور اگر باقاعدہ اس کے لگانے کا اہتمام کیا گیا ہے تو عشر واجب ہے۔(ایضاً)

[۱۳] جس کھیت میں گنے کی باقاعدہ کھیتی کی جائے تو کل پیداوار میں عشر واجب ہوگا۔(ایضاً)

[۱۴] جو شہد کے چھتے عشری زمین میں دستیاب ہوں ان میں عشر واجب ہے، خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ۔(ایضاً)

[۱۵] کھیتی کاٹنے کے بعد نکلنے والے بھس یا پرال میں عشر واجب نہیں۔ (کتاب المسائل:۲/۱۷۳)

[۱۶] اگر کسی شخص نے اپنے وسیع گھر کے صحن میں پھل دار درخت یا سبزیاں وغیرہ بو رکھی ہیں تو ان کی پیداوار پر عشر نہیں ہے۔(ایضاً)

[۱۷] خربوزہ، ککڑی اور تربوز وغیرہ کے بیج میں عشر واجب نہیں؛ بلکہ صرف ان کے پھل میں عشر ہے۔(ایضاً)

[۱۸] فتوی اس پر ہے کہ جس جگہ عشر واجب ہے وہاں زمیندار اپنے حصہ کا عشر دے اور کاشتکار اپنے حصہ کا۔(فتاوی دار العلوم:۱۵/۳۹۳)

کیا آلات زراعت منحوس ہے ؟

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ جس گھر میں آلات زراعت داخل ہوتے ہیں اس میں غربت داخل ہوتی ہے۔

عن أبی أمامة الباهلیؓ قال ورأی سکةً و شیئا من آله الحرث، فقال ، سمعت رسول الله ﷺ یقول : لایدخل هذا بیت قوم إلا أدخل الله الذل .(بخاری رقم : ۲۳۲۱)

اس معنی میں اور بھی احادیث وآثار کتابوں میں منقول ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب ارشادات اپنے اطلاق پر محمول نہیں، بلکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن پاک میں اموال واولاد کو فتنہ قرار دیا گیا ہے۔فتاوی رحیمیہ میں ہے:

جو چیز آدمی کو ذکر خدا اور اس کی عبادت سے غافل کردے اور اس کے احکام سے روک دے وہ چیز اس کے لئے منحوس اور سبب ذلت ہے۔ پھر چاہے وہ آلات زراعت ہوں یا دوسرے آلات یا کوئی دوسرا جائز پیشہ اور روزگار ہو، ارشاد باری تعالی ہے:

مَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فإِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا .

جو میری یاد سے غافل رہا اس کو تنگی کی زندگی نصیب ہوگی۔(سورۃ طہ)

زیادہ تر کسان اپنے پیشہ میں اتنے زیادہ مشغول رہتے ہیں کہ نماز، روزہ،

حج اور جہاد جیسی عبادات سے محروم رہتے ہیں، احکام اسلام سے واقف نہیں ہوتے، کھیت پر رہتے ہیں تو دین و دنیا سے غافل اور گھر پر آتے ہیں تو اپنے مویشی اور کاشتکاری کے کاموں میں پھنسے رہتے ہیں، ذکر خدا اور عبادت سے یکسر غافل رہتے ہیں، اناج گراں ہونے کی دعا کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے حدیث میں تنبیہ ہے، دیندار کسانوں کے لیے یہ حکم نہیں ہے اور آلات زراعت مکان میں رکھنے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ (ملخص از فتاوی رحیمیہ: ۶۰۰/۵)

کھیتی کی حفاظت کا نسخہ

بیج زمین میں ڈالنے سے پہلے وضوء کر کے کھیت کے کنارے دوگانہ گزارے اور درود شریف پڑھ کر بارگاہِ ایزدی میں نہایت تضرع سے دعا کرے کہ

أللّھم إنی عبد ضعیف سلمت إلیك فسلمه لی، وبارك لی فیه.

خدایا! میں تیرا ضعیف بندہ ہوں اس کام کو تیرے سپرد کرتا ہوں، تو اسے سلامت رکھ کر میرے حوالے کر اور میرے لئے اس میں برکت عطا فرما۔

پھر درود شریف پڑھے۔

امید ہے کہ خدائے پاک اس دعا کی برکت سے زراعت کو تمام آفات و بلیات سے محفوظ رکھ کر اس میں برکت عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد جب زراعت تیار ہو جائے تو ناپ کرنے والا باوضو قبلہ رخ ہو کر ناپ کرے اور اس میں غرباء کا حق ادا کرنے کے بعد دوگانہ نفل پڑھ کر دعا کرے کہ

یا رب أنی ألقیت بذرا قلیلا و أعطیتنی شیئا کثیرا فاجعلها قوت طاعة ولا تجعلها قوت معصیة واجعلنی من الشاکرین.

خدایا! میں نے تھوڑا سا بیج ڈالا اور تو نے مجھے بہت دیا، تو اس کو اطاعت کی

خوراک بنااور نافرمانی کی غذا نہ بنااور مجھے شکر گزار بندوں میں سے بنا۔

حدیث شریف میں کہ بندہ گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم رکھا جاتا ہے(رواہ احمد) لہٰذا آدمی کو چاہئے کہ خدائے پاک کی نافرمانی اور ناراضگی کے کاموں سے دور رہ کر اس کی رضامندی کے کام کرے اور خدا پر توکل کرے تو خدائے پاک اس کے ہر کام میں مدد کرے گا اور اس کا فضل و کرم شامل حال ہوگا۔ حق تعالی فرماتے ہیں۔

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَ مَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ (سورۂ طلاق ۃ ۲ ۔ ۳)

اور جو کوئی خدائے پاک سے ڈرتا رہتا ہے اس کے لئے وہ مشکلات سے نجات کی راہ نکال دیتا ہے اور اس کو اس طرح روزی پہنچاتا ہے جس کا اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو خدائے پاک پر بھروسہ کرتا ہے خدا اس کے لئے کافی ہے(قرآن حکیم) فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (ماخوذ از فتاوی رحیمیہ: ۶۲۲/۵، ۶۲۳)

مراجع و مصادر

۱	القرآن الکریم	
۲	بخاری شریف	مکتبہ ملت، دیوبند
۳	مسلم شریف	فیصل بک ڈپو
۴	مسند احمد	دارالحدیث، قاہرہ
۵	ابو داؤد شریف	مکتبہ ملت، دیوبند
۶	طحاوی شریف شرح معانی الآثار	مکتبہ حقانیہ، ملتان
۷	ترمذی شریف	فیصل بک ڈپو
۸	سنن ابن ماجه	مکتبہ ملت، دیوبند
۹	نسائی شریف	فیصل بک ڈپو
۱۰	المؤطا للامام محمدؒ	
۱۱	تفسیر ابن کثیر	نور محمد کتب خانہ، کراچی
۱۲	تفسیر قرطبی	دارالکتب، بیروت
۱۳	الدر المنثور	دارالکتب، بیروت
۱۴	شرح النووی مع مسلم	فیصل بک ڈپو
۱۵	عمدة القاری	داراحیاء التراث، بیروت

۱۶	فیض الباری	جنوبی افریقہ، مجلس علمی، سورت
۱۷	العرف الشذی علی هامش جامع ترمذی	فیصل بک ڈپو
۱۸	مقدمۂ ابن خلدون	دارالفکر، بیروت
۱۹	المحلّٰی بالآثار	دارالکتب، بیروت
۲۰	المبسوط للسرخسی	دارالفکر، بیروت
۲۱	المدخل لابن الحاج	
۲۲	فضل الزراعة والعمل فی الارض	دارالصمیعی
۲۳	عقد المزارعة فی الفقه الاسلامی دراسة مقارنة	كلية الشريعة جامعة ، الكويت
۲۴	من التطبيقات المعاصرة للمزارعة والمساقاة فی الفقه الاسلامی	كلية الآداب جامعة، المنوفة
۲۵	بدائع الصنائع	مکتبہ زکریا، دیوبند
۲۶	رد المحتار مع الدرالمختار (شامی)	مکتبہ زکریا، دیوبند
۲۷	هدایه	مکتبہ بشری، پاکستان
۲۸	شرح فتح القدیر	مکتبہ زکریا، دیوبند
۲۹	بنایة	مکتبہ نعیمیہ، دیوبند
۳۰	الاختیار لتعلیل المختار	دارالکتب، بیروت
۳۱	موسوعة فقهیه	وزارة الاوقاف، کویت
۳۲	نیل الاوطار	

۳۳	بداية المجتهد لابن رشد	جا ملی محلّہ، ممبئی
۳۴	المغنی لابنی قدامه	دارالفکر، بیروت
۳۵	کتاب الام	دارالفکر، بیروت
۳۶	مختصر اختلاف العلماء للطحاوی	دارالبشائر، بیروت
۳۷	الفتاوی الانصاف فی معرفة الراجع من الخلاف لسراجية	مکتبہ اتحاد، دیوبند
۳۸	کتاب الآثار للامام محمدؒ	مجلس علمی، سورت
۳۹	التحقيق لابن الجوزیؒ	
۴۰	معالم السنن للخطابیؒ	
۴۱	شرح المصابيح للتوربشتیؒ	
۴۲	تبین الحقائق	مکتبہ زکریا، دیوبند
۴۳	درر الحکام شرح مجلة الاحکام	دارالکتب، بیروت
۴۴	الفقه الاسلامی وادلة	الہدی انٹرنیشنل، دیوبند
۴۵	مجمع الانهر	مکتبہ غفاریہ، کوئٹہ
۴۶	المحبط البرهانی	مکتبہ الرشد، ریاض
۴۷	خلاصة الفتاوی	مکتبہ زکریا، دیوبند
۴۸	تنقیح الفتاوی الحامدیه	رشیدیہ، کوئٹہ
۴۹	لسان العرب	
۵۰	مالی معاملات پر غرر کے اثرات	ادارۂ معارف، کراچی

۵۱	فتاوی عالم گیری اردو قدیم	
۵۲	آپ کے مسائل اور ان کا حل	دار الکتب، دیو بند
۵۳	حجۃ اللہ البالغہ	مکتبہ حجاز، دیو بند
۵۴	عالمگیری	رشیدیہ، کوئٹہ
۵۵	محمود الفتاوی	جامعہ علوم القرآن، جمبوسر
۵۶	فتاوی قاضی خان	رشیدیہ، کوئٹہ
۵۷	نئے مسائل اور علماءِ ہند کے فیصلے	ایفا پبلیکیشنز
۵۸	فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے وتجاویز	ادارہ جمیعۃ علماءِ ہند
۵۹	اسلام میں حلال وحرام للقرضاوی	دار السّلفیہ، ممبئ
٦۰	قانونی لغت	پی. ایل. ڈی.، لاہور
٦۱	محاضرات معیشت	اریب پبلیشنز، نئی دہلی
٦۲	انعام الباری	مکتبہ حقانیہ، سورت
٦۳	اسلام اور جدید معاشی مسائل ہفتم وہشتم	فیصل بک ڈپو
٦۴	اسلام کا نظام زراعت	مکتبہ نعیمیہ، دیو بند
٦۵	فتاوی محمودیہ	ادارہ صدیق، ڈابھیل
٦٦	صفائی معاملات	مکتبہ اشرفیہ، تھانہ بھون
٦۷	عطر ہدایہ	مکتبہ عصریہ، دیو بند
٦۸	فتاوی دار العلوم زکریہ	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
٦۹	کتاب المسائل	مکتبہ حق، ممبئ

۷۰	احسن الفتاوی	مکتبہ زکیا، دیوبند
۷۱	فتاوی دارالعلوم	دارالعلوم، دیوبند
۷۲	فتاوی رحیمیہ	مکتبہ احسان، دیوبند
۷۳	کفایت المفتی	مکتبہ عزیزیہ
۷۴	اسلامی فقہ	تاج کمپنی، دہلی
۷۵	فتاوی تاتارخانیہ	مکتبہ زکریا، دیوبند
۷۶	تفہیم الأحکام	ادارہ معارف اسلامی، لاہور
۷۷	امدادالفتاوی	مکتبہ زکریا، دیوبند
۷۸	فقہ المعاملات	دارالاشاعت، کراچی
۷۹	عین الہدایہ جدید	